ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے — سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات بہت سے پہلوؤں میں انفرادیت رکھتی ہیں۔ان میں سے ایک اہم پہلو ترک دنیا نہیں، ترکِ محبت دنیا ہے۔عموماً صوفیاء کے ہاں ترک دنیا کا مفہوم اس sence میں پایا جاتا ہے کہ دنیاوی مال و دولت اور منصب کا حصول دنیاداری ہے اور ان سے بچنے کا حکم ہمیں قرآن وسنت میں دیا گیا ہے۔ان کے دلائل اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں مگر کیا اللہ و رسول ﷺ کا منشاء یہی ہے۔؟ یہ سوال اپنی جگہ بہت اہم ہے۔اس ضمن میں سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا کے حصول کی ممانعت اللہ و رسول ﷺ کا اصل منشاء نہیں بلکہ ''دل کے اندر اس کی محبت کا ہونا'' دنیاداری کہلائے گا۔اگرچہ یہ نظریہ نیا نہیں مگر ہم اسے تعلیمات تصوف کے حوالے سے موجودہ دور میں ایک انقلابی نظریہ کہہ سکتے ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح باقی تعلیماتِ دین گرد کے نیچے چھپ گئیں اس طرح دنیاداری کا حقیقی مفہوم بھی بدل گیا۔بقول اقبالؒ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

قرآن کہتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُم مَّا فِى الْأَرْضِ جَمِيعاً (البقرہ:29)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے''۔

مزید فرمایا:

إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الْأَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ :30)

''میں زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں''

ایک اور جگہ فرمایا۔

أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (سورہ لقمان :20)

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں''۔

الغرض! اس طرح کی بیسیوں آیات ہیں جن میں اللہ نے انسانوں پر دنیا کی نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر دنیا کی نعمتیں بری ہوتیں یا اللہ کا منشاء ہمیں ان کے جائز استعمال سے روکنے کا ہوتا تو قرآن کی مذکورہ آیات میں یہ باتیں بیان نہ ہوتیں۔

اسی طرح سیرت رسول ﷺ کے مختلف پہلو بھی دنیا داری کا حقیقی مفہوم سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے آپ ﷺ نے بکریاں چرائیں، دوسرے ملکوں میں جا کر تجارت کی، اپنی اور بچوں کی شادیاں کیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ معاملات کیے۔ جنگیں لڑیں، ہر طرح سے ایسی زندگی گزاری جس کو آجکل ایک مخصوص ذہن دنیا داری سے تعبیر کرتا ہے۔ اسی نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے آپ ﷺ کے اصحابؓ نے اسلامی حکومت کی سرحدیں

کئی براعظموں تک پھیلا دیں۔ بانی سلسلہؒ نے بھی اللہ کو اپنی ترجیح اوّل بناتے ہوئے ایک بھرپور زندگی گزاری اور ہمیں بھی اسی بات کی تلقین کی کہ دنیا میں سے اپنا حصہ ضرور لینا ہے مگر اللہ کو کسی حال میں نہیں بھولنا۔ جن احباب پر اصل توحیدی رنگ چڑھ جاتا ہے انہیں زندگی کے مصائب و آلام اور آسائشیں روکنے کی بجائے مہمیز کا کام دیتی ہیں اور وہ قرب باری تعالیٰ کی منزلیں بھرپور دنیاوی زندگی گزارتے ہوئے طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہمیں دنیاداری کے حقیقی مفہوم سے آشنا فرمائے اور ہمیں اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین۔

والسلام !

مدیر

''ماہنامہ فلاح آدمیت''

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

بابا جانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ ڈیوٹی والے جو بزرگ ہوتے ہیں، ان کا سلوک میں کیا Status ہوتا ہے؟

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ کسی کی بھی ڈیوٹی لگ سکتی ہے۔ کسی کی بھی لگا سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہنچا ہوا ہو، سلوک طے کیا ہو۔ وہ کسی کو بھی بیچ میں لے جاتے ہیں۔ جیسے بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے انسپکٹر اشرف صاحب کا لکھا ہے کہ امام علی الحقؒ کے مزار پہ گئے اور وہ انہیں لے گئے۔ اب انہوں نے تو سلوک طے نہیں کیا ہوا تھا۔ یہ کہتے تھے کہ میں سلوک طے کرلوں، وہ کہتے تھے کہ نہیں، آپ آجائیں۔

ڈیوٹی والے، آپ ایسے سمجھیں جیسے فرشتے ہیں۔ وہ بھی تو اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ کے حکم کے تحت ہی چلتے ہیں۔ وہ جو حکم کرتا ہے یہ اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ آپ ان کی منتیں کرو، خواہ انہیں سجدے کرو۔ انہوں نے اس سے ہٹنا نہیں ہے، اس لئے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ آپ اللہ کے دَر پہ جھکیں۔ وہ اس کے حکم کے تحت نہیں۔ وہ کہے گا کہ اس قوم کو تباہ کردو تو وہ آئیں گے، اس کو وہ ماریں گے۔ کسی کو زندہ کرنا ہے تو اُٹھا کے ڈوبے ہوئے جہاز سے باہر کنارے پہ کھڑا کردیں گے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔

بابا جیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کہتے تھے کہ فرشتہ کیا ہے؟ فرشتہ جو ہے

یہ Agency of God، وہ ایجنٹ ہے اللہ کا۔اس کے کوئی کام براہِ راست نہیں ہوتے۔ In between کوئی مخلوق ہے۔لوگ انہیں دیوتے، دیویاں کہیں یا دیوتے، دیویاں نہ کہیں مگر ایک مخلوق ہے جو ملائکہ ہے۔یہ مخلوق اللہ کے حکم کے تحت چلتی ہے لیکن آپ کو ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ ان کے مندر بنائیں، قربانیاں دیں، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔وہ خدا کے کارندے ہیں۔وہ اس کے حکم کے مطابق چلیں گے لیکن وہ کہتا ہے کہ مانو، اللہ کے فوراً بعد: اٰمَنتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ کہ فرشتے ہیں۔ In between ایک مخلوق ہے، جس کو خدا نے Create کیا ہے، اس کے تھرو اُس کے سارے کام ہوتے ہیں۔آپ کو ماننا ہے کہ وہ ہیں۔وہ اس کے مطابق کام کریں گے۔آپ کو ان کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔آپ اچھے چلیں گے تو اللہ انہیں احکام دے گا، وہ آپ کے لئے اچھے کام کریں گے۔یہ تو ویسے بھی قرآن میں ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ.

"بے شک جو نیک لوگ ہیں، ان پر ہم فرشتے اتارتے ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور پھر اس پر قائم ہو گئے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں جو کہتے ہیں:

أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ.

(سورۃ فصلت ۴۱۔آیت ۳۰)

"کوئی غم نہ کرو، کوئی خوف نہ کرو۔اور انہیں کو خوشخبری دے دو جنت کی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. (سورۃ فصلت ۴۱۔آیت ۳۱)

"ہم تمہارے ساتھی ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی"۔

یہ ادھر ہی ہوتے ہیں جو آپ کو سپورٹ کرتے ہیں اندر سے اور آپ کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے سارے کام ان شاء اللہ صحیح ہو جائیں گے۔ صرف تباہی ہی نہیں اور بھی بڑے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۔ (سورہ فصلت ۔آیت ۳۱)

''اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ تم کو مل کر رہے گا۔''

جو تمہارا نفس خواہش کرے گا وہ تمہیں جنت میں ملے گا۔ یہاں جو چاہو وہ نہیں ملتا۔ بادشاہ ہو تب بھی لیکن وہاں جو چاہو گے وہ ملے گا۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۔ (سورۃ فصلت ۴۱ ۔آیت ۳۲)

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے میزبانی ہوگی، جو چاہو گے، ملے گا۔

یہ کہا کہ ان پر فرشتے اترتے ہیں۔

باباجیؒ کہا کرتے تھے کہ کبھی سوچو بھی نہ کہ ہمارا کام خراب ہوگا۔ ہماری تو اللہ سے دوستی ہے، ہمارا تو خراب ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ یقین رکھیں، ایسا سوچیں بھی نہ کہ کچھ خراب ہو گا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اترتے ہیں تو فرشتے اسی طرح کام کرتے ہیں۔ باباجیؒ نے بھی رسالدار (محمد حنیف خان) صاحبؒ کا لکھا ہے کہ دو دفعہ ملے۔ ایک دفعہ ایسے ملے کہ ان کے کپڑے پانی میں بھیگے ہوئے تھے۔ میں (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے کہا کہ بھائی جان آئیں ناں، کیا بات ہے؟ کہنے لگے: کام ہے، وہاں بہت کام ہیں۔ پکڑ لیا ہم نے۔ کیا کام ہے؟ وہاں بھی کوئی کام ہیں؟ کہا کہ ہاں! وہاں پہ بھی اللہ میاں بہت کام لیتا ہے۔ کام کرنے والے آدمیوں کو اُدھر بھی بیکار بیٹھنے نہیں دیتا۔ پوچھا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ فرمایا جنت میں میری ڈیوٹی ہے، جنتیوں کو جس چیز کی خواہش ہو ان تک فوراً پہنچنی چاہئے۔

اب کون سا کمپیوٹرائزڈ سسٹم ملا ہے کہ جو چیز بھی جس جس کو چاہئے فوراً پہنچنی چاہئے۔ کیسے پہنچتی ہے یہ الگ بات ہے۔ کہتے کہ یہ میری ڈیوٹی ہے۔ ہم نے کہا بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) یہ تو بڑی اچھی ڈیوٹی ہے کہ کھانے پینے کے انچارج ہو گئے رسالدار صاحبؒ۔ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ نے) پوچھا کہ یہ کپڑے بھیگے ہوئے ہیں، یہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہا کہ اللہ میاں کا ایک Ship تھا، وہ ڈوب رہا تھا تو اللہ میاں نے کہا کہ اسے سیدھا کر کے آؤ۔ اب بتائیں۔ اللہ خود کُن فَیکُون سے نہیں کر سکتا تھا؟ فرشتوں کو نہیں کہہ سکتا تھا؟ لیکن ان کی وہ بھی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی یہ کہ میں Ship کو سیدھا کر کے آ رہا ہوں۔ ایسے کام میں اللہ میاں ان کو شامل کر دیتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔

ایک بھائی نے (قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ سے) پوچھا کہ بابا جان! اس کا ہمیں نفع یا نقصان ہے؟

بابا جانؒ فرمانے لگے: اس کا مطلب ہے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ شیطان جو ہے وہ جنوں میں سے تھا، وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اب اس کا رولا ہی رہتا ہے کہ جن تھا یا فرشتہ تھا؟ اب اللہ نے تو ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ سجدہ کرو۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ مجھے نہیں حکم دیا میں تو جن ہوں۔ اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو وہ Plead کر سکتا تھا اپنا کیس۔ میں تو جی فرشتہ ہوں ہی نہیں۔ اللہ میاں مجھ پہ تو یہ آرڈر Applicable تھا ہی نہیں، لیکن اس نے یہ نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ جنات میں سے بھی فرشتے بن سکتے ہیں۔ یہ کس نے کہا کہ فرشتے نور سے ہیں؟ کہیں ہے؟ کوئی قرآن پاک میں لکھا ہوا ہے کہ ہم نے ان کو نور سے پیدا کیا ہے؟ نور اگر ہے تو آگ نور نہیں ہے؟ آگ بھی تو نور ہی ہے۔ نُورٌ عَلَى نُورٍ (سورۃ النور آیت:۳۵) اللہ نے چراغ کی مثال دی ہے۔ اس میں تیل ایسے جلتا ہے نُورٌ عَلَـى نُورٍ ،

تو یہی نور ہے۔ایک اور مثال دی ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۔ (سورۃالبقرہ ۲۔آیت ۱۷)

نبوت کی مثال دی کہ جس طرح جنگل میں آگ روشن کی تاکہ۔۔۔جب آگ روشن ہوگئی۔تو اس صورت میں روشنی حاصل کرنے کے لئے آگ ہی جلتی تھی۔یہ بجلیاں تو نہیں تھیں۔جنگلوں میں رہتے تھے،رات کولکڑیاں اکٹھی کر کے جلا دیتے تھے۔یہ تاپتے تھے اور جانور قریب نہیں آتے تھے۔روشنی بھی ہوتی تھی،روشنی کے لئے آگ جلائی جاتی تھی۔ یہاں سورۃالبقرہ میں ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ کہہ کر نبوت کی مثال دی کہ وہ آئے۔انہوں نے روشنی کی۔اندھیرے میں ہر چیز نظر آنے لگی۔حق بات کا پتا چل گیا۔اللہ ان کے نور کو لے گیا، وہ اندھے ہو گئے۔انہیں سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کرنا ہے۔

مطلب یہ کہ نار جو ہے یہ بھی نور ہی ہے۔مادّی نہیں ہے وہ غیر مادّی ہے۔ وہ فرشتے بن سکتے ہیں۔قرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ کیوں نہیں آئے،فرشتے اترتے،اس کے ساتھ فرشتے اترتے۔وہ ہمیں آکے بتاتے،ان کے ساتھ سونے کے کنگن آتے۔یہ کیا؟ قرآن نے کہا کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو اللہ تمہیں میں سے فرشتے بنا دیتا۔'تمہیں میں سے فرشتے بنادیتا' اس کا مطلب ہے کہ یہ دلالت کرسکتے ہیں کہ ان کی ڈیوٹی میں جاسکتے ہیں جو اللہ کی ڈیوٹی کے ساتھ اس طرح مل جائیں کہ اپنا نفس ختم ہو جائے،اللہ کے حکم کے مطابق ہی کریں۔Yes Sir بن جائیں،وہ فرشتوں میں چلا جائے گا۔وہ (ابلیس) بھی چلا گیا تھا۔اگر اُن میں سے جاسکتا ہے تو انسان بھی (فرشتہ) بن سکتا ہے۔تو یہ ایسے ہوتا ہے۔

رسالدار (محمد حنیف خان صاحبؒ) بہت اچھے بزرگ تھے۔یہ ڈیوٹیاں Ship

کوسیدھا کرنا، یہ اللہ کُن فَیکُون سے بھی کرسکتا تھا۔فرشتوں سے بھی کرواسکتا تھا لیکن اللہ نے حکم دیا کہ جاؤ اور یہ کرکے آؤ۔اب اکیلا بندہ Ship کو کندھا دے کر سیدھا کرسکتا ہے۔ بندہ یہ کرسکتا ہے کہ Ship ڈوب رہا ہے اور وہ اس کو سیدھا کر کے آئے۔لیکن اتنی طاقتور Beam ہوتی ہیں اس میں روحانی طاقت۔تو میرا خیال ہے کہ اس مضمون کو Study کرنے کی ضرورت ہے کہ جنات میں سے،انسانوں میں سے اُس Class جو جوائن کرسکتے ہیں لوگ۔شیاطین کا تو Proved ہے کہ كَانَ مِنَ الْجِنِّ.(سورۃ الکھف ۱۸۔آیت ۱۵)

جنوں میں سے تھا،شامل فرشتوں میں تھا۔اللہ نے کہا کہ کیوں نہیں سجدہ کیا جب میں نے حکم دیا؟حکم تو فرشتوں کو دیا تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِيسَ. (سورۃ الکھف: آیت ۵۰)

فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے منع کیا تھا جب میں نے حکم دیا تو اس نے کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں۔اس لئے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ کہا کہ میں بہتر ہوں۔انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔میں آگ سے بنایا گیا ہوں۔میں کیوں کروں؟ مطلب یہ کہ یہ ہوسکتا ہے۔اس میں Join کرسکتا ہے۔اللہ نے بھی لکھا ہے آیت میں اگر یہاں فرشتے ہوتے تو میں تمہیں میں سے فرشتے بنا دیتا۔انسانوں میں سے۔ کیا یہ مشکل ہے؟ایک بندہ جسے نہ بھوک لگے نہ پیاس لگے۔بس اللہ کا جو حکم ہو اس کے مطابق جو ہے وہ کرتا رہے۔

باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے یہ بھی لکھا ہے مولانا کریم الدین احمدؒ کے حوالے سے کہ ایسا انسان فرشتہ تو بن سکتا ہے لیکن انسان نہیں رہتا۔جب فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا تو اس کا مطلب ہے کہ Superior being جو ہے وہ

انسان ہی ہے۔اللہ کے بعد میں ہوں، باقی ساری مخلوق میرے تحت ہے۔فرشتہ تو وہ ہے جہاں جبرائیلؑ نے کہا کہ اے رسول اللہﷺ آگے نہیں جا سکتا، جاؤں تو میرے پر جل جائیں۔ایسے کروں تو میرے پر جل جائیں۔تجلیات اتنی ہیں کہ میری برداشت سے باہر ہیں۔میری تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ مجھ میں برداشت نہیں ہے۔آپﷺ ہی جائیں گے۔ ان فرشتوں کی Limitations ہیں۔اسی لئے باباجیؒ وہ بھی پڑھا کرتے تھے؛

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے

"میرے عشق کے میدان میں جبرائیلؑ کا شکار کرنا بڑا کمزور سا شکار ہے۔یہ میری شان کے لائق نہیں ہے کہ جبرائیلؑ کو شکار کیا جائے۔

یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

"کمند ڈالنی ہے تو اللہ پہ ڈالو۔شکار کرنا ہے تو اس کو کرو۔اس سے محبت کرو، اس سے پیار کرو۔اس کی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔"

حضورﷺ نے فرمایا:تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔اپنے اندر اللہ جیسی صفات پیدا کرو۔

کہتے تھے کہ وہ جبرائیلؑ کیا کرتا ہے؟ وحی لے آئے، اگلی پچھلی باتیں بتادیں۔یہ ہوگیا، وہ ہوگیا، مطلب یہ کہ کشف و کرامات کہ Symbolize کر کے آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ جبرائیلؑ ہے۔فرمایا کہ میرے عشق کے میدان میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔جیسے سلسلہ توحیدیہ والے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ نہیں چاہئے، کشف و کرامات کے بارے ہم سے کوئی بات نہ کرو۔اللہ کے دیدار کی بات کرو۔اس کے قرب کی بات کرو۔وہ ہے (جبرائیلؑ) جو وہاں جا کے ٹھہر گئے، آگے نہیں جا سکے۔

ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی

اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

بندہ جبرائیل امینؑ کا ہمسایہ ہے۔اِدھر والا نہیں بلکہ پرلی طرف والا ہمسایہ ہے۔ اِدھر والا تو نیچے ہوگا۔وہ اُس طرف والا ہے جو اللہ کی طرف جانے والی بات ہے تو اس میں آگے ہے،وہ اس کا مقام ہے۔باقی فرشتے اس کے بعد ہیں۔الطاف حسین حالی کا شعر ہے:

فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بننا

مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

بن سکتا ہے مگر محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے،اور یہ بھی ہے کہ

جس انسان کو سگِ دنیا نہ پایا

فرشتہ اُس کا ہم پایہ نہ پایا

باباجیؒ بھی کہتے تھے کہ یہ دنیا کی ہوا و ہوس جو ہے وہ نکال دو۔فرشتہ اس کا ہم پایہ نہیں دیکھا اس کے مقابلے میں جس نے دنیا کی محبت نکال دی ہے۔خدا کی محبت میں مگن ہو گیا۔اس کو Priority بنایا۔ ”جس انسان کو سگِ دنیا نہ پایا“

فرشتہ اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔اس میں نفس ہوتے ہوئے اس نے نکال دیا۔ یہ جو فرشتے ہیں ان میں نفس نہیں ہے،خواہشات نہیں ہیں۔وہ ہاروت ماروت کا قصہ آتا ہے کہ وہ آیا اور پھنس گیا یہاں پر۔انسان کو اللہ نے نفس دیا ہے۔اس کے باوجود وہ۔۔۔نفس دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم نے خود اس کے دل میں محبت پیدا کی ہے، مال و دولت کی، خوبصورت عورتوں کی،گھوڑوں کی اور جانوروں کی مہر لگے،اور سونا چاندی کے ڈھیروں کی، کہ ہم نے خود محبت پیدا کی ہے۔یہ محبت نہ ہو تو پھر کیا فائدہ؟پھر کس چیز کا امتحان؟محبت ہے

تو روزہ نہیں رکھتے؟ بھوک، پیاس اور عورت کی خواہش نہیں ہوتی سخت؟ لیکن نہیں کرتے۔ یہی تقویٰ ہے تو ان کو بھی فرمایا کہ وہ ایسے ہیں۔

بایزید بسطامیؒ بہت بڑے بزرگ ہوئے۔جنگلوں میں رہے۔ساری عمر خربوزہ نہیں کھایا۔ان کو یہ نہیں پتا چلا کہ حضور ﷺ نے کاٹ کے کھایا تھا یا ایسے ہی کھایا تھا۔اس شک کی وجہ سے نہیں کھایا۔ساری عمر وہ جنگلوں میں اور باہر ہی رہے۔جب دھوپ مانگی تو سایہ دیا۔ٹھنڈا پانی مانگا تو گرم پانی پلایا۔نفس کی مخالفت کرتے رہے۔ایک مرتبہ اللہ میاں کو کہا کہ اللہ میاں میں نے مقابلہ کر کے اس کو مار دیا ہے۔اب اس میں سکت باقی نہیں رہی، بے شک اب تو اس کو نکال دے۔یہ اب کوئی نہیں میرا بگاڑ سکتا۔

بایزیدؒ کو معراج ہوتی تھی۔ان کی روح پرواز کرتی، اللہ کی طرف جاتی اور ملاقات کر کے واپس آجاتی تھی۔پھر انہوں نے اللہ میاں کو کہا کہ نفس کو نکال دے۔دیکھا کہ ان کے منہ سے ایک کالا سا جانور نکل کے بھاگ گیا ہے۔بتایا کہ یہ تمہارا نفس تھا۔نکل گیا۔پہلے جب بایزیدؒ کی پرواز ہوتی تھی، راستے میں جو فرشتے آتے تھے وہ کھڑے ہو جاتے تھے کہ بایزیدؒ اللہ کی معراج پر جا رہے ہیں۔ان کا معراج کتابوں میں لکھا ہے،فرشتے کھڑے ہو جاتے تھے۔جب واپس آتے تو پھر بھی فرشتے قیام کرتے کہ آ رہے ہیں۔اس کے بعد ایک دن پرواز کی تو کسی نے نوٹس ہی نہ لیا۔نہ کوئی فرشتہ جاتی دفعہ کھڑا ہوا اور نہ کوئی آتی دفعہ کھڑا ہوا۔تو پھر وہ خود ہی کھڑے ہو گئے۔پوچھا کہ کیا بات ہے؟ پہلے تو میں روز جاتا تھا تو آپ قیام کرتے تھے۔کھڑے ہو جاتے تھے کہ بایزیدؒ کی روح جا رہی ہے۔آج تمہیں پتا نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ بایزیدؒ وہ نوٹس والی بات جو تھی وہ نفس تھا،اس کی وجہ سے ہم کھڑے ہو جاتے تھے۔آپ میں نفس تھا،ہم میں نفس نہیں تھا۔اب تو ہم برابر ہو گئے نہ تم میں نفس ہے نہ ہم میں نفس ہے۔

اب وہ عزت والی بات ختم ہو گئی ہے۔ جو تمہاری عزت تھی، وہ نفس کی وجہ سے تھی، تم میں خواہشات تھیں، اس کے باوجود تم نے ان کو توڑا اور کاٹا۔ خدا کی محبت کو ترجیح دی۔ اب وہ نکل گیا تو ہمارا تمہارا کیا فرق؟

تو یہ خواہشات جو ہیں ان کا ہونا انسان کے لئے باعثِ تکریم ہے۔ وہ ان کو توڑتا ہے، خدا کی محبت میں چلتا ہے۔ ہزار چیزیں اس کا راستہ روکنے والی موجود ہیں پھر بھی جناب خدا کی محبت میں سب کچھ قربان کرتا ہے۔

دونوں جہاں تیری محبت پہ ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

یہاں اس کو شبِ غم تھی دنیا۔ میں اللہ سے بچھڑا ہوا ہوں۔ اللہ میرا وہاں ہے، میں یہاں ہوں۔ اس کا یہاں کسی چیز سے دل نہیں لگتا جس کا محبوب بچھڑا ہوا ہو۔

ایسے جائے تو بایزید کو بھی فرشتوں نے کہا کہ وہ نفس کی وجہ سے تمہاری عزت تھی، اب کیا ہے؟ کوئی تمہاری خواہش نہیں۔ یہ انسان کے لئے بڑا انعام ہوتا ہے۔ یہ اللہ میاں نے اس کے ساتھ لگایا ہے۔ بس جو سچے طالب ہیں، وہ چلتے ہیں، پہنچ جاتے ہیں۔ مرشد کی طرف سے اللہ کا ذکر جو ہے یہ بتایا جاتا ہے۔ یہ اس کی Feed ہے۔ نفس کی خواہشوں کو توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے میں اس کی وہی مدد کرتا ہے۔ اور اس کا جو فیض ہے وہ چلاتا ہے۔

راہ سلوک میں تسلیم ورضا کی اہمیت

(احمد رضا خان)

اللہ کو پانے کا جو سلیبس لکھا ہے اس میں بنیادی حیثیت تو ذکر کو حاصل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور ہر سانس کے ساتھ کیا جائے ، ہر آن کیا جائے تو جو بندہ ہر سانس کے ساتھ ذکر کرتا ہے یہ تو سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا۔ جدید علماء کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ منہ سے ذکر کرنا کہیں نہیں ہے ۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے ذکر کا حکم آیا ہے اس سے مراد ہے کہ اللہ کا کہنا مانیں۔ جن کاموں کا اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کریں اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے ان کو نہ کریں۔ یہ ہی اصل میں ذکر ہے۔لیکن ہم سمجھتے ہیں جو بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کا کہنا نہ مانے اور حکم عدولی کرے۔اللہ کے کیا احکامات ہیں۔سارا قرآن اس سے بھرا ہوا ہے۔ہر بندے کو شعور ہے کہ اللہ نے کس کام سے منع کیا ہے اور کس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ہاں جب انسان پر نفسانی غلبہ ہو جائے تو وہ حکم عدولی کر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا مقام ذکر کو حاصل ہے لیکن اس سے بھی پہلے بابا جان انصاری صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ کسی ایسے بزرگ سے بیعت ہو ،نسبت قائم کرے جو اس کیلئے راہ سلوک آسان کر دے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے۔پھر ذکر الٰہی ،تلاوت قرآن پاک۔ پھر بابا جان انصاریؒ نے لکھا ہے ،مجاہدہ! مجاہدہ میں انصاری صاحبؒ نے قطع ماسویٰ اللہ اور تسلیم رضا، دو ہی چیزیں رکھی ہیں۔ ہیں یہ دو چیزیں لیکن یہ اتنی اہم ہیں کہ سالوں کی محنت

چند دنوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔ قطع ماسوئ اللہ اور تسلیم و رضا کو بابا جان نے ان مشقتوں کا مد مقابل بنایا ہے جو پرانے زمانے میں بزرگ کرتے تھے۔ دیکھیں! آج کل سائنس کا دور ہے۔ پرانے زمانے میں پہلوان طاقت حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ خوراک کھاتے، گوشت، دیسی گھی، مکھن وغیرہ۔ ہزاروں روپے لگا کر وہ طاقت حاصل ہوتی تھی لیکن آج ایک گولی کھالیں تو ساری خوراک جتنی طاقت دے دیگی۔ خلاء میں جب انسان جاتا ہے تو وہاں کون سے مرغ مسلم کھاتا ہے، بس گولی کھاتا ہے۔ اس گولی کے اندر ہی انسانی جسم کی تمام ضروریات بھری ہوتی ہیں۔ اس کے اندر کاربوہائیڈریٹ بھی ہے، اس کے اندر کیلشیم بھی ہے، اس کے اندر پروٹین بھی ہے۔ تو یہ ایک مجتہد کا کام ہوتا ہے جیسے بابا جان انصاری صاحبؒ نے فرمایا کہ پرانے زمانے میں جو مقاصد بھیک مانگ کر، اور سقہ بن کر صبح سے شام تک لوگوں کو پانی پلانا اور بیوی بچے چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جانا، تو جو مقاصد ان کاموں سے حاصل ہوتے تھے وہ آپ کو گھر بیٹھے اور ساری سہولیات سے مستفیض ہوتے ہوئے یہ دو کام کرنے سے حاصل ہو جائیں گے۔ جن میں سے ایک کا نام ہے قطع ماسوئ اللہ اور دوسرے کا نام ہے تسلیم و رضا۔ یہ ہے مجتہد کا کام۔ اگر کسی سائنسدان نے کوئی ایجاد کی ہے تو ہمیں اس سے کماحقہٗ آگاہی نہیں ہے کیونکہ ہم سائنس کے اصولوں سے آشنا نہیں۔ اس کی قدر وہی کر سکے گا جو اس علم کو جاننے والا ہے۔ وہی کہہ سکتا ہے کہ یار یہ تو بہت بڑا کام ہے!! اس لیے بابا جان انصاریؒ صاحب کا یہ بہت بڑا کام ہے لیکن چونکہ ہم اس capasity کے حامل نہیں۔ آنے والے چند سالوں میں ہو سکتا ہے یہ چیز سامنے آئے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انصاری صاحبؒ نے یہ ایک مجتہدانہ ایجاد کی ہے اور تصوف کی تعلیم کو وہ موڑ دیا ہے کہ جو سنت سے چیزیں ہٹ چکی ہیں ان کو دوبارہ سنت کے راستے پر ڈالا ہے اور اس لیے دعویٰ کیا ہے کہ میں

جو کچھ کہتا ہوں اس کو نبی کریم ﷺ کے طریقہ مبارک سے ملا لو، جہاں کوئی کمی بیشی نظر آئے مجھے آگاہ کرو، میں خوشی سے ترمیم کرلوں گا۔قطع کہتے ہیں ختم کرنا ما کہتے ہیں جو، سوئ اللہ، اللہ کے سوا، اللہ کے سوا جو ہے اسے قطع کردیں۔یہ قرآن کریم کا مقصود ہے۔اللہ اپنے بندے سے یہی چاہتا ہے۔یہ ایک کیفیت کا نام ہے جو بعدازاں مستقل ہوجاتی ہے۔ہر چیز کا ایک جوہر ہے۔جب ہم خوراک کھاتے ہیں، کہنے کو ہم چاہے آدھا کلو گوشت کھا جائیں لیکن ہمارے نظام انہضام نے اس کا جوہر نکالنا ہے۔اس جوہر کو مختلف مراحل، جگر، گردے وغیرہ سے ہوتا ہوا خون میں شامل ہوجاتا ہے۔اور خون پھر اسے پورے جسم کو پہنچاتا ہے۔وہ جوہر مقصود ہوتا ہے، گوشت مقصود نہیں ہے۔یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے گوشت میں ذائقہ اور خوشبو ڈال دی ہے کہ ہم اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔مگر مقصود اس کا جوہر ہی ہے۔ قطع ماسوئ اللہ بندے کے اندر خدا کے تعلق کا جوہر پیدا کرتا ہے۔ہماری زندگی میں جو بھی واقعات ہمیں پیش آرہے ہیں، اس کے اثرات ہوتے ہیں۔یہ ایک بالکل الگ سائنس ہے۔اس کو آپ روحانی سائنس کہہ لیں، یا نفسیاتی سائنس کہہ لیں۔مطلب یہ کہ میں صبح سے شام تک کاروبار کرتا ہوں اس کا یہ جوہر میرے اندر آئے گا کہ مجھے پیسے سے محبت ہوجائے گی۔کیونکہ میں پیسے کمانا چاہتا ہوں۔میں اگر پنچایت کرنے والا یا تھانے کچہری کرنے والا ہوں تو میرے اندر بڑا پن اور چودھراہٹ آجائے گی۔کیونکہ ہر چیز اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کررہا ہے اس کا ایک جوہر بن رہا ہے جو اس کے مرتے وقت ہی اس کے سامنے آجائے گا۔اسی لیے اللہ والا مرتے وقت مسکراتا ہے کیونکہ اسے اس وقت کامیابی نظر آجاتی ہے۔

نشا ن مر د مو من بتو گوئم

چومرگ آئید تبسم برلب اوست (اقبالؒ)

(میں تمہیں ایک مومن کی نشانی بتاتا ہوں کہ جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔قطع ماسویٰ اللہ اصل میں آپ کے دل کے اوپر کوئی بھی اثر مستقل قائم نہیں ہونے دیتا۔آپ اپنے دل کا اس طرح جائزہ لیں کہ آپ کے دل پر کسی بھی چیز کا اثر مستقل نہیں قائم ہونا چاہیے،ماسوائے اللہ کی یاد کے۔جولوگ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں انہیں اس کا اندازہ ہوجاتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ مزمل میں ارشاد فرمایا (جوسلسلہ توحیدیہ کے مونو میں لکھا ہے)واذکر اسم ربک

قطع ماسویٰ اللہ ،اللہ کا حکم ہے۔یہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے حکم دیا۔تہجد پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں۔پھر قطع ماسویٰ اللہ۔یہ ایسے ہی پیدا نہیں ہوجاتا۔یہ بندے کا خدا کے ساتھ تعلق کا جوہر ہے۔جب حقیقی تعلق قائم ہوگا تو آپ کے دل پر کسی بھی چیز کے اثرات نہیں ہونگے۔مثلاً کوئی بہت بڑی خوشی مل گئی ہے،بندہ خوشی محسوس کرتا ہے،اللہ والا بھی کرتا ہے،ولی بھی کرتا ہے لیکن اللہ والے اورولی اللہ کے دل پر پھر اللہ کی یاد کا غلبہ ہوجاتا ہے۔انسان ہے وقتی طور پر اثرات ہوتے ہیں۔لیکن دنیا دار پر اس خوشی کا اثر مستقل قائم ہوجاتا ہے۔یا غمی آجاتی ہے،تکلیف آجاتی ہے۔اس کا اثر دنیا دار کے دل پر مستقل قائم ہوجاتا ہے لیکن اللہ والے کے دل پر مستقل قائم نہیں ہوتا۔اور کچھ ہی عرصے بعد اس کا اللہ سے تعلق پھر بحال ہوجاتا ہے۔یہ ہے قطع ماسویٰ اللہ !!!

(جاری ہے)

اُمت محمدیہ ﷺ کے سب سے پہلے توحید پرست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ماجد محمود توحیدی)

تخلیق آدمؑ سے پہلے فرشتے اللہ کی مقرب ترین مخلوق تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنی کامل ترین بندگی، کمال معرفت اور والہانہ محبت کیلئے تخلیق فرمایا اسی لیے اسے باقی مخلوقات سے صلاحیتیں بھی برتر عطا فرمائیں۔ انہی صلاحیتوں کی بدولت انسان اپنے مقصد معرفت و قربت باری تعالیٰ میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔

کائنات میں اللہ کی ذات کے بعد انسان افضل ترین مخلوق ہے جس کو اللہ نے صرف اور صرف اپنے لیے پیدا فرمایا۔ سادہ لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ انسان کی انفرادی و اجتماعی منزل اللہ ہے، اس کا سب سے زیادہ مضبوط تعلق اپنے ربّ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ انسان کی ذات، انسان کی محبت، انسان کی بندگی کا مرکز و محور اللہ کی ذات ہی ہونی چاہیے۔ صرف اسی بات سے انسان اپنے وقار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ ورنہ انسان کی حیثیت چوپائیوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

اللہ پاک نے تمام ارواح سے اپنے ربّ ہونے کا عہد عالم ارواح ہی میں لے لیا تھا جس کا اقرار تمام ارواح نے کیا۔ مگر ہمارے ربّ کی انسان کے ساتھ شفقت و محبت ہے کہ اس عالم مادّی میں تجدید عہد کیلئے اللہ نے انبیاء کے مبارک گروہ کو انسانوں کے درمیان بھیجا کہ وہ

انسانوں کو ان کا کیا ہوا، عہد یاد کرائیں اور دنیا میں اللہ کی بندگی کا ضابطہ سکھائیں۔ انبیاءکرام بھی گروہ انسان میں سے اللہ کے انتہائی مقرب اور خاص الخاص بندے ہوتے ہیں۔ جو خود اللہ کی بندگی میں کمال حاصل کرتے اور اللہ کے قرب و معرفت کے اعتبار سے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کے نقوش قدم دوسرے انسانوں کے لیے مشعل راہ اور بندگی کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انبیاء کی مبارک جماعت میں سے سب سے بڑھ کر اور سب سے بزرگ و بر تر امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کی تکمیل فرمائی۔ جن پر اللہ نے اپنے دین کی تکمیل فرمائی۔ جنھوں نے اللہ کی حمد و ثناء میں کمال حاصل کیا اور اللہ انعام کے طور پر روز قیامت لوائے حمد ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کے ہاتھ مبارک میں دے گا۔

نبی مکرم ﷺ نے انسان کو خدا شناس کیا اور اللہ اور انسان کے درمیان تمام پردوں کو دور فرما دیا۔ انسان پر نہ صرف اس کا نصب العین بالکل واضح ہو گیا بلکہ اس کا حصول بھی ممکن اور سہل ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب تعلیمات اسلامی خطۂ عرب سے نکل کر مختلف ممالک بلکہ نصف دنیا میں پھیل گئیں تو اسلامی تعلیمات میں عجمی و غیر اسلامی آمیزش بھی ہوتی چلی گئی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان و ایقان میں وہ پختگی نہ رہی، حقیقت پردوں میں چھپ گئی اور آج موجودہ زمانے میں تو اسلام کا اصلی اور حقیقی تشخص شائد ہی آپ کو کہیں ملے۔ رسوم سے لے کر عبادات اور نظریات سے لے کر اعتقادات تک سب کے سب بدل دیے گئے ہیں اور اسلام جو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو دیا تھا آج کئی پردوں میں چھپ چکا ہے۔ دین کے نام پر بے دینی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور سادہ لوح مسلمان جو

پہلے ہی دین سے بیگانے ہیں انہیں اور بھی دین سے دور کیا جارہا ہے۔یاد رکھیں!جس دین میں اللہ کو حاکمیت ومرکزیت حاصل نہیں وہ دین اسلام نہیں ہوسکتا۔

اسلامی تعلیمات میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں میں ایک خرابی شخصیت پرستی بھی ہے۔جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ انسان کی منزل اللہ ربّ العزت کی ذات ہے اور اس منزل کے حصول کا ذریعہ اللہ انبیاء، صلحاء اوران کی تعلیمات کو بناتا ہے جس پر چل کر انسان اپنی منزل کو حاصل کرتا ہے۔مگر فی زمانہ بد قسمتی سے انہی شخصیات کو اللہ اور انسان کے درمیان بہت بڑا پردہ بنادیا گیا ہے۔اور اللہ کی ذات کو تو سو پردوں میں چھپا دیا گیا ہے۔اللہ کا تو کہیں نام بھی نہیں لیا جاتا ہے کہ وہ ہمارا مطلوب ومقصود ہے اور ہم اس کی محبت کے راہی ہیں۔ اللہ کی شدید محبت جو اسلامی تعلیمات اور ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا، آج اس باب کو اسلامی تعلیمات سے نکال ہی دیا گیا ہے۔یاد رکھیں اللہ کی ذات اوراس کی محبت انسان کا مطمع نظر ہے باقی تمام اس مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔آج کے انسان نے ذرائع کو منزل بنالیا ہے اور اصل منزل کو بالکل بھلا دیا ہے۔

آج میں آپ کے سامنے اس مقدس ہستی، یارِ غار، یارِ حبیب کبریا ﷺ کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں جو اُمت محمدیہ ﷺ کے سب سے پہلے دعوت توحید پر لبیک کہنے والے ہیں۔

آپؓ کو اوائل جوانی سے ہی نبی مکرم ﷺ کی دوستی کا شرف حاصل تھا اور یہ حضور اکرم ﷺ کی قربت ونسبت کا نتیجہ تھا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کی فیملی سے باہر سب سے پہلے حق کو تسلیم کرنے والے شخص بن گئے اور یہ اعزاز قیامت تک آپؓ کے پاس رہے گا۔ اعلانِ نبوت کے بعد بھی آپؓ نے لحہ لحہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ گزارا اور رموز نبوت سے اگر کوئی شخص سب سے زیادہ واقف تھا تو یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی تھے۔ یقیناً آپ کی

ذات مبارک ان تمام اوصاف سے متصف تھی، جو نبی مکرم ﷺ کے ذات مبارک کا خاصہ تھے۔ آپؓ کی حیات مبارک کا ہر ہر فعل اسلامی تعلیمات کی روح کا آئینہ دار تھا جس میں سب سے بڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی شدید محبت، اللہ پر توکل، توقعات کے حوالے سے مخلوق سے بے نیازی، اللہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ، اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرنا، مخلوق خدا کی خدمت وغیرہ۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت جو کردار آپؓ نے ادا فرمایا وہ آپ کا ہی خاصہ تھا جس سے آشکارا ہوتا ہے کہ آپؓ اسلامی تعلیمات کی روح کو سمجھنے والے تھے۔

آپؓ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اُمت کی مجددانہ رہنمائی فرمائی اور اسلام کی تعلیمات کو مسلمانوں پر آشکار فرمایا کہ مسلمان شخصیات کو نہیں بلکہ اللہ کو پوجتے ہیں وہ اللہ کے دین کے لیے جیتے اور اللہ کے دین کیلئے مرتے ہیں۔

آپ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر جب تمام صحابہ دل شکستہ اور پریشان تھے مسلمانوں کو حوصلہ اور ولولہ عطا فرمایا اور درج ذیل آیہ مبارک تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران 144)

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کے رہیں گے اللہ انہیں اس کی جزا دے گا"۔

چونکہ مومن اللہ کے نبی ﷺ کا کامل اتباع کرتا ہے اور نبی مکرم ﷺ کے صحابہ تو آپ ﷺ کے اتباع میں مثالی تھے۔ تو نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ اللہ کے دین کے قیام کیلئے تھا، آپ ﷺ کی ساری تگ و دو اس لیے تھی کہ اللہ کا دین دنیا میں غالب آجائے۔

آپ کے صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کے اتباع میں اپنی زندگیاں دین کے

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

(مومن وہ ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو)

نماز، مومن کی پہچان (از خطباتِ حرم)

(امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ترجمہ: محمد عبدالہادی العمری)

ترجمہ

"ہر قسم کی حمد اللہ کیلئے خاص ہے جس نے نماز کو دین کا ستون، یقین کی بنیاد، تقرب الٰہی کا وسیلہ اور اطاعت کی پہچان بنایا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ اللہ کے محبوب اور خلیل ہیں، آپ ساری مخلوق سے اعلیٰ اور سب انسانوں کے سردار ہیں، آپ کا ارشادگرامی ہے:

اے اللہ! تو اپنی طرف سے بھیجی گئی رحمت اور عطا کی گئی عظیم نعمت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل فرما، آپ کی آل، ازواج اور اصحاب پر اور اس انسان پر بھی جس نے آپ کی دعوت کا پرچار کیا اور آپ کی سیرت کی پیروی کی۔"

برادرانِ اسلام! اس وقت ہم ایک ایسے مادّی دور سے گزر رہے ہیں جو انسان کیلئے بڑا صبر آزما اور اعصاب شکن ہے۔ ہر طرف دنیا کے حصول کیلئے دھکم پیل ہو رہی ہے۔ مادّی زندگی کی اس کڑی دھوپ میں آدمی کبھی سکون کی ایسی چھاؤں کو ڈھونڈتا ہے جہاں اسے کچھ دیر کیلئے آرام کا موقع مل سکے، کچھ دیر کیلئے دل و دماغ کو راحت میسر آسکے لیکن اس دور میں مطلوبہ سکون واطمینان اسلام کے شجرِ سایہ دار کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سکون، راحت اور ٹھنڈک کے حصول کیلئے نماز سب سے بہترین عملی ذریعہ ہے، چاہے وہ فرائض کی

شکل میں ہو یا نوافل کی شکل میں، فرمان الٰہی ہے:

"تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔"

مزید فرمایا: "اور نماز قائم کیجیے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

رسولِ اکرم ﷺ حضرت بلالؓ سے فرمایا کرتے تھے:

بلال! اٹھو اور نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ۔"

بلکہ خود رسولِ اکرم ﷺ کو بھی کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تھا تو آپ نماز کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ عزیز بھائیو! کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ نماز کیلئے یہ اہتمام کیوں ہے؟ اس لیے کہ اللہ عزوجل اور بندے کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ نماز کیلئے جب بندہ عجز و انکساری کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا جو بہترین اثر اصلاحی اعتبار سے اس کی ذات پر پڑتا ہے، اس کی لذت سچا نمازی ہی محسوس کرسکتا ہے۔ لیکن ہمیں یہاں یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کونسی نماز ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی ہے؟ وہ کونسی نماز ہے جو تقرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہے؟ وہ کونسی نماز ہے جو دین و دنیا کی ترقی کا سبب بنتی ہے؟ کیا یہ عظیم الشان فائدے صرف نماز کی چند ظاہری حرکات سے حاصل ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس کا حقیقی فائدہ صرف انھی لوگوں کو ہوگا جو اس کے مفہوم پر غور کریں، جو خشوع و خضوع کا پیکر بنیں، جو جسمانی حرکات کے ساتھ اپنی روح کو بھی واقف نماز رکھیں، جن کی نماز قرآن و سنت کی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ یہی وہ نماز ہے جو مومن کی معراج ہے، جو اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہے اس کیفیت سے جب نمازی بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتا ہے تو اسے وہ سرور حاصل ہوتا ہے جو اس کے جسم و جان کیلئے باعثِ راحت بن جاتا ہے۔

محترم بھائیو! سچا مسلمان نماز کی اہمیت سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہا یہ دین کا ستون ہے، یہ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی عبادت ہے بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی جسم میں سر کی ہوتی ہے۔جس طرح جسم سر کے بغیر ناقص ہے اسی طرح دین نماز کے بغیر نا تمام ہے۔لیکن نماز کی اتنی زبردست اہمیت کے باوجود کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو ادائے نماز میں غفلت برتتے ہیں، نماز پڑھنے میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر دنیا ہی میں اللہ کا غضب نازل ہو جائے۔مسلمانوں کو نماز پر خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی سعادت سے مالامال ہو سکیں۔

نماز کی اہمیت کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ اس کی کچھ شرائط، واجبات، ارکان اور مسائل ہیں تاکہ ہم اپنی نمازوں سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔بہت سے نمازیوں کی نماز میں مختلف غلطیاں عام ہیں، ان کی روک تھام ضروری ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

''سب سے برا چور وہ ہے جو نماز پڑھنے میں چوری کرتا ہے۔''

نماز کی چوری یہ ہے کہ اس کے ارکان صحیح ادا نہ کیے جائیں، رکوع، سجود وغیرہ میں سستی کی جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(بعض اوقات) انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کیلئے اس کی نماز سے صرف دسواں، نواں، آٹھوں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا اور آدھا حصہ ہی لکھا جاتا ہے۔''

یہ کٹوتی اس کی نیت اور نماز پڑھنے کے اسلوب کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہر رکن صحیح ادا ہو تاکہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔یہاں افادۂ عام کی غرض سے کچھ اہم

باتیں بیان کی جاتی ہیں:

1- **ظاہری اور باطنی طہارت** نماز کی بنیادی شرط ہے، اس کے بغیر نماز قابل قبول نہیں ہوتی۔ طہارت اور وضو مسنون طریقے سے کرنا چاہیے۔ وضو کے مسئلے میں بعض لوگ وسوسے کا شکار ہوتے ہیں اور بے مقصد پانی ضائع کرتے ہیں جبکہ بعض حد درجہ کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ پانی قریب ہونے کے باوجود تیمم سے کام چلانا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں فریق غلط ہیں، انھیں اصلاح کرنی چاہیے۔

2- قبلہ رخ ہونا نماز کی بنیادی شرط ہے، جو مسجد حرام میں ہوں ان کیلئے تو ضروری ہے کہ ان کا رخ بالکل کعبۃ اللہ کی طرف ہو ورنہ اس مسئلے میں **غفلت** نا قابل قبول ہے۔

3- **ستر پوشی نماز کی شرائط میں سے ہے** لیکن بعض لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، کبھی ان کا لباس اتنا باریک ہوتا ہے کہ ان کا جسم دکھائی دے رہا ہوتا ہے اور کبھی اتنا تنگ کہ انہیں حرکت کرنے خصوصاً رکوع وسجود میں مشکل ہوتی ہے۔ اس پر توجہ دینی چاہیے۔

4- **عورت** کیلئے **سارا جسم ڈھانکنا ضروری** ہے سوائے چہرے کے اور اگر غیر محرم مرد ہوں تو چہرہ بھی ڈھانپ لے، اگر مسجد میں آئے تو بالکل سیدھی سادھی کیفیت میں بناؤ سنگھار اور خوشبو استعمال کیے بغیر آئے تاکہ اسے پورا پورا ثواب مل سکے۔

5- **نماز شروع ہونے سے پہلے صفوں کو سیدھا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے**۔ نبی کریم ﷺ اس پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"(اللہ کے بندو!) تم اپنی صفیں ضرور ٹھیک کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔"

ٹھیک صف بندی امام اور مقتدی دونوں کی ذمہ داری ہے لیکن اس میں کسی کو تکلیف پہنچانے سے گریز کیا جائے۔

6۔خشوع جو نماز کی روح اور قبولیت کی پہچان ہے، فرمان الٰہی ہے:

''مومن یقیناً فلاح پا گئے، وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''

لیکن وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں یا جو اپنی توجہ ادھر اُدھر مبذول کرتے ہیں یا جو نماز میں غیر ضروری حرکات میں مشغول رہتے ہیں اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب چیزیں روحِ نماز اور خشوع کے منافی ہیں، ان کی نماز ناقص اور ناتمام ہوگی۔ نماز میں اطمینان ضروری ہے بلکہ اطمینان نماز کا لازمی تقاضا ہے، اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو، جنھوں نے نماز میں عجلت کی تھی، نماز دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا:

''جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی (حالانکہ انھوں نے آپ ﷺ کے سامنے نماز پڑھی تھی لیکن جلد بازی میں پڑھی تھی۔)''

7۔**جو لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے ہوں** ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ امام کی اقتدا کریں، یعنی ہر کام اس کے بعد کریں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔''

امام سے آگے بڑھنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کوئی امام سے پہلے اپنا سر رکوع یا سجدے سے اٹھائے تو اللہ تعالیٰ (گویا اتنا ناپسند ہے کہ) اس کا سر گدھے کا سر بنا ڈالے یا اس کا چہرہ

گدھے کے چہرے میں تبدیل کر ڈالے!''

امام احمد بن حنبلؒ نے تو یہاں تک فرمایا:

''جو امام سے آگے بڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔''

لہٰذا تمام نمازیوں کو خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری ہر حرکت امام کے پیچھے ہو۔ رکوع، سجود اور قیام وغیرہ میں اس کا خاص خیال رکھا جائے، امام سے پہلے رکوع میں جانے یا سجدہ کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

نماز اللہ تعالیٰ کی طرف بہت دل لگا کر بڑے دھیان سے بہترین انداز میں پڑھنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو موقع عطا فرمایا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ ہمیں جو نادر موقع دیا گیا وہ کسی اور قوم اور مذہب کے ماننے والوں کو نہیں ملا، لہٰذا چاہیے ہم دنیا کے کسی کوشے میں رہیں اس فریضے کی ادائیگی میں کوئی غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، مسلمانوں کے حالات درست فرمائے، انھیں شعائرِ اسلام کی حفاظت اور نماز کی پابندی کی توفیق بخشے۔

لوگو! آپ پر لازم ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور امامتِ صلوٰۃ کی بھرپور کوشش کریں کیونکہ نماز ہی سے آپ کو دنیا میں نور حاصل ہوگا اور آخرت میں زبردست اجر و ثواب ملے گا۔ اگر آپ قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں جن میں نماز کا حکم دیا گیا ہے تو آپ پر یہ حقیقت اُجاگر ہوگی کہ اللہ رب العزت نے نماز کا حکم دیتے ہوئے ہمیشہ ''اقامتِ صلوٰۃ'' کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ اقامت صرف ذاتی طور پر نماز پڑھنے کو نہیں کہتے بلکہ مکمل اہتمام اور پوری توجہ دینے کو کہتے ہیں، لہٰذا نماز کی صرف ظاہری ادائیگی کافی نہیں بلکہ اپنے لواحقین،

اولاد، رشتہ دار اور پڑوسیوں کو بھی نہایت محبت اور حکیمانہ طریقے سے نماز کی طرف مائل کرنا چاہیے۔ آئمہ مساجد کو چاہیے کہ لوگوں میں نماز کا صحیح شعور اور آگاہی پیدا کریں، نماز کے مسائل التزام سے بیان کرتے رہیں، نماز کا نبوی ﷺ طریقہ سکھائیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

نماز کا مسنون طریقہ سیکھنے اور سکھانے کی ہر سطح پر اشد ضرورت ہے تا کہ ہم صحیح طریقے سے نماز ادا کرسکیں۔ اس سلسلے میں ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ نماز کی تفصیلات میں بعض فقہی نوعیت کے اختلافات ہیں، خصوصاً نماز کی سنتوں اور مستحبات کے سلسلے میں اختلافات پائے جاتے ہیں، اس بارے میں ہم سب کو اس انتشار سے بچنا چاہیے، ایک دوسرے کے خلاف تیز و تند جملوں اور حملوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آداب اور حدود کا خیال رکھتے ہوئے آسان لفظوں اور میٹھے لہجے میں سنت کے مسائل بیان کرنے چاہئیں۔

درود و سلام پڑھیے! اس ذات پر جس نے سب سے بہتر نماز ادا کی، جو قیامت کے دن مقام محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور حوض کوثر پر میزبانی فرمائیں گے۔

تصوف کیا ہے!

(محمد موسیٰ بھٹو)

تصوف ''احسان'' کی صورت ہے، ''احسان'' کی تعریف حدیث جبریل میں یہ کی گئی ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہیں ہوتا تو کم ازکم یہ دھیان تو غالب ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

تصوف، روحانی صلاحیتوں کو بیدار کرکے، فرد کی سیرت و کردار کی پاکیزہ بنیادوں پر تعمیر کا کردار سرانجام دیتا ہے، تصوف، دِل اور روح کو نفسی قوتوں پر غالب کرکے، فرد کے جذبات واحساسات میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے، تصوف کی ریاضتوں سے باطن کی وسیع دنیا کا مشاہدہ ہوتا ہے، اخلاص، للّٰہیت و بےنفسی پیدا ہوتی ہے۔

تصوف کی ریاضتوں کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ فرد کی دولت و دنیا کے بارے میں حساسیت ختم ہوجاتی ہے، جو ملے، اس پر راضی برضا رہنے اور صبر وشکر کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے اور مادّی دنیا کے حوالے سے سارے ارمان سرد مہری کا شکار ہوجاتے ہیں، دنیا سے بے نیازی استغناء زُہد اور فقر سے رغبت پیدا ہونے لگتی ہے۔

تصوف دو چیزوں سے عبارت ہے، ایک متقی اور صالح بزرگ کی صحبت اور ان سے رابطہ، دوم اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ ان دونوں چیزوں کے نتیجے میں فرد میں رفتہ رفتہ مذکورہ صلاحیتیں و صفات پیدا ہونے لگتی ہیں، اس طرح مادّیت کے حوالے سے پیدا شدہ سارے احساسات میں پاکیزگی آجاتی ہے۔

تصوف کی مروّجہ صورت اور حقیقی تصوف:

مروّجہ تصوف ،دراصل حقیقی تصوف کی جعلی صورت ہے، مروّجہ تصوف میں پیر صاحب عام طور پر ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ نفس پرستی کی قوتوں کو فناء کر کے، اس مقام پر فائز ہونے میں ناکام ہوتا ہے، جہاں دِل و دنیا کی محبت ، جذبہ شہرت اور بزرگ ہونے کی انانیت کے بتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، موجودہ دور میں تصوف نے عام طور پر خاندانی وراثت کی صورت اختیار کر رکھی ہے، حالانکہ حقیقی تصوف کا خاندانی وراثت سے کوئی تعلق نہیں، بزرگی کا سارا تعلق ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے ہے، ان مجاہدوں کے ذریعہ سے اندر میں موجود حبِ جاہ، حُبِ مال، حرص و ہوس اور جذبہ شہرت پر مشتمل پورا بت کدہ ہے، جس کی ٹوٹ کا عمل جاری رہتا ہے، یہ بت خانہ آسانی سے نہیں ٹوٹتا، اس کیلئے طویل عرصے تک ذکر وفکر کے مجاہدوں سے کام لیا پڑتا ہے، جب یہ بت کدہ ٹوٹتا ہے، تب دِل کی دنیا آباد اور منور ہو جاتی ہے اور نفس امارہ، نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کہیں جا کر خلافت اور بزرگی کا پروانہ ملتا ہے، اس میں مجاہدوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے خاص فضل و کرم کو بھی عمل دخل ہوتا ہے، اللہ کو جس سے دوسروں کی تربیت کا کام لینا ہوتا ہے، اسے اس راہ پر چلا کر نفس کے مکر وفریب کی ہزار ہا واردات سے آشنا کر کے، اسے اس مقام پر فائز کرتا ہے۔

تصوف کا پس منظر:

تصوف دراصل ہمارے تزکیہ وتربیت کا وہ ادارہ ہے، جو پچھلے چودہ سو سال سے کام کررہا ہے، لاکھوں بزرگانِ دین نے اپنی زندگیاں مجاہدوں میں صرف کر کے پہلے اپنا تزکیہ کیا، اس کے بعد وہ دوسروں کی تربیت و اصلاح کے کام میں مصروف رہے۔ ہماری دعوت و اصلاح کی ساری تاریخ انہی بزرگان دین سے وابستہ ہے، ہم اگر اپنی تاریخ

سے ان بزرگان دین کو نکال دیں تو ہماری تاریخ روشن مثالوں سے خالی ہو جائے گی، تصوف کے سارے سلسلوں کا باقاعدہ شجرہ ہے، اس شجرہ کے مطابق یہ سلسلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ذریعہ حضورﷺ تک پہنچتے ہیں۔

انوار کی منتقلی کا یہ سلسلہ ایک تسلسل سے بزرگان دین میں منتقل ہوتا آیا ہے، یعنی تصوف کے سارے سلسلوں کا مرکز حضورﷺ کے نورِ نبوت کے اجزاء ہیں، ایک ہے علومِ نبوت، دوسرا ہے نورِ نبوت، علومِ نبوت سے ہمیں ساری زندگی کیلئے دین کی ظاہری تعلیمات ملتی ہیں، نورِ نبوت سے باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح و پاکیزگی ہوتی ہے، نیز فرد و افراد کے تہذیبِ نفس اور تزکیۂ نفس کا عمل جاری رہتا ہے، نورِ نبوت حضورﷺ نے اپنی صحبت کے ذریعہ صحابہ کرامؓ میں منتقل فرمائے، صحابہ کرام نے اپنی صحبت سے تابعین کرام میں یہ انوار منتقل کئے، علومِ نبوت اور نورِ نبوت مل کر ہی ایسا معاشرہ تیار کرتے ہیں، جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے ہم آہنگ معاشرہ ہوتا ہے جو مادّیت پر ٹوٹ پڑنے کی بجائے بنیادی مادّی ضروریات کے حصول تک اکتفا کرتا ہے، جو اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔

حقیقی تصوف سے دُوری، اسباب و نتائج:

تصوف کی صحیح حقیقت، اس کی اصل نوعیت نہ سمجھنے اور کچھ جعلی اہل تصوف کی کثرت اور بدعات نے اور کچھ عقلیت کی تیز لہر نے تصوف و اہل تصوف کو سخت نقصان پہنچایا ہے، اس کی وجہ سے ہوا یہ ہے کہ ایک تو عاملوں اور جعلی اہل تصوف نے بزرگی کی صورت اختیار کی ہے، دوم یہ عقلیت کی جدید تحریکوں کے زیر اثر اہل تصوف سے دُوری کی صورت پیدا ہوئی ہے، اس کا دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہمارا معاشرہ اخلاقی و روحانی طور پر ویرانی کا منظر پیش کر رہا ہے، اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ لگ بھگ ہر فرد زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے

جنون میں مبتلا ہوگیا ہے،اس کے ساتھ ساتھ ذہنی،نفسیاتی اور روحانی امراض نے معاشرے کو جکڑلیا ہے۔

یہ ساری المناک صورت ہمارے حقیقی خانقاہی نظام کے اُجڑ جانے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے،انگریز کی آمد سے پہلے ہمارا معاشرہ روحانی اعتبار سے کافی بہتر حالت میں تھا۔ اس سے دوسو سال پہلے تک حالت یہ تھی کہ اکابر بزرگوں سے اصلاح نفس کے حوالے سے لاکھوں افراد وابستہ تھے،اب صورت یہ ہے کہ عاملوں اور جعلی بزرگوں سے تو رجوع ہے،لیکن نفس کے دیو کو قابو کرنے کے سلسلے میں حقیقی اہل اللہ سے رجوع نہ ہونے کے برابر ہے،یہ سب سے بڑا المیہ ہے، جو اس دور میں ہوا ہے،موجودہ دور میں فکر کا بحران ہو یا دِل کی ویرانی ہو،یہ سب حقیقی خانقاہی نظام سے دوری ہی کا نتیجہ ہے۔

قومی تعمیر کے کام کا نفس کو مہذب بنانے سے وابستہ ہونا:

قومی تعمیر کے سارے کاموں کا تعلق نفس کو پاکیزہ اور مہذب بنانے سے ہے،اس کے بغیر قومی تعمیر کے کاموں میں خیر و برکت ہو،ملت کی حقیقی تعمیر کا کام ہو،افراد وقوم کو سکون کی نعمت عظمیٰ حاصل ہو،افراد معاشرے کے باہمی تعلقات میں محبت اور خوشگواری کا عنصر شامل ہو،اہل سیاست،اہل تجارت اور قومی زندگی کے سارے طبقات میں خیر سگالی کی فضاء موجود ہو،ممکن نہیں۔

نفس کو مہذب بنانے کے کام کی اتنی فیصلہ کن اہمیت کے باوجود یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہمارا پورا نظام تعلیم تزکیۂ نفس اور نفس کے اندر موجود قوتوں پر نہ تو بحث کرتا ہے اور نہ ہی نفس کے سدھارنے اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں کوئی کردار ادا کرتا ہے،ہماری سیاست کا

بھی یہی حال ہے، جو سیاست قوم پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ نفسانیت اور اناؤں کے ٹکراؤ سے دو چار ہیں، ہماری صحافت اور الیکٹرانک میڈیا تو نفسی قوتوں کو طاقتور بنانے کا کردار ادا کرتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ افراد اپنی روش پر نظر ثانی کریں اور قوم وملت کی حالتِ زار پر رحم کھاتے ہوئے سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا کو قومی تعمیر کے حقیقی مقصد کیلئے استعمال کریں، یہ کام ایسا ہے جو انکی منصبی ذمہ داری سے تعلق رکھتا ہے۔

قومی تعمیر نو کے کاموں کیلئے روحانی قوت کی ضرورت:

تعمیر معاشرے کے بہت سارے کام ہیں جو ہماری توجہ کے محتاج ہیں اور جو ہمیں کرنے ہیں مثلاً صحیح خطوط پر ذہن سازی کا کام ہے، یا محلّہ کی بنیاد پر محلّہ کے حساس افراد کو جمع کر کے، ان کے تعاون سے محلّہ کے محتاج ، بے بس اور غریب افراد کی مالی معاونت کا کام ہے، یا غلط الزامات میں جو ہزاروں افراد جیلوں میں قید ہیں، ان کی اور ان کے پسماندگان کی مدد کا کام ہے، غریب افراد کے بچوں کی تعلیم کا کام ہے کہ اسکولوں کی فیس کی رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، اس طرح کے قومی تعمیر نو کے بہت سارے کام ہیں ، جو ہمیں کرنے چاہیے، لیکن احساس ہونے کے باوجود یہ کام اگر نہیں ہوتے یا ہم ان کاموں کو سرانجام دینے کی ہمت و حوصلہ سے محروم ہیں تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم میں روحانی صلاحیت اور روحانی طاقت موجود نہیں ہے، فرد میں ہمت و حوصلہ اور تعمیر نو کے کرنے کا جذبہ روحانی طاقت ہی سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ محض علم اور معمولی نوعیت کے احساس سے۔

قومی تعمیر نو کے کاموں سے پہلے سب سے زیادہ اپنی شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر

تعمیر اور نشوونما کا کام ہے، جب روح قوی ہو جاتی ہے تو وہ شخصیت کو سماجی اور اجتماعی بہتری کے کاموں کیلئے اُکسانے پر آمادہ کرتی ہے، روح کے قوی ہونے سے اس طرح کے کاموں کیلئے اخلاص، للٰہیت اور بے نفسی بھی آجاتی ہے تو بہتر سے بہتر اور نئی سے نئی تدابیر بھی سامنے آتی ہیں، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی۔

اب سوال یہ ہے کہ روحانی طاقت کیسے پیدا ہو؟ روحانی طاقت کیلئے خودشناسی و خدا شناسی کی ضرورت ہے، جو اللہ کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے تکرار اور روحانی نوعیت کی مشقوں سے پیدا ہو گی، ہمیں سب سے پہلے اس کام کو اہمیت دینا ہو گی، دوسری صورت میں ہم قومی تعمیر کے نام سے باتوں اور گفتگو برائے گفتگو سے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔

انسانیت کا باطنی بیماریوں میں جکڑ جانا:

اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ باطنی نوعیت کی برائیاں ہیں، جس میں ہم سمیت پوری انسانیت جکڑ چکی ہے، قوموں اور معاشروں میں موجود فساد کا اصل سبب یہی باطنی نوعیت کی بیماریاں ہیں، ان بیماریوں میں حاسدانہ جذبات و حاسدانہ کاروائیاں بھی شامل ہیں تو تکبر، انانیت، بڑے پن اور فوقیت کے احساسات و جذبات بھی، ان بیماریوں میں دنیا سے فریفتگی کی حد تک محبت کے میلانات و رجحانات بھی شامل ہیں تو شہرت، خودنمائی اور ریاء کاری کے جذبات بھی۔

ہر انسان کی آزمائش کی خاطر اس کے نفس کی ساخت میں برائیوں کے یہ طاقتور جذبات رکھ دیئے گئے ہیں، آزمائش یہ ہے کہ فرد ان جذبات کو پامال کر کے نفس کو مہذب اور پاکیزہ بنانے میں کامیاب رہتا ہے یا ناکام۔

انسان کے ان جذبات کی حیثیت سمندر کی گہرائیوں کی سی ہے، جس میں بہت

ساری مخلوق رہتی ہے، جس میں مگر مچھ بھی شامل ہیں یا وسیع تر جنگل کی سی ہے، جس میں ہر طرح کے درندے رہتے ہیں، نفس کی وسیع دنیا میں بھی خونخوار درندے رہتے ہیں، جو اپنے جیسے انسانوں کیلئے سم قاتل ہیں، اس وقت سرمایہ دار ہو یا مالدار یا بڑے بڑے منصب پر فائز افراد، وہ مقامی سطح سے لیکر عالمی سطح تک اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ جو سلوک اختیار کر رہے ہیں، دولت جمع کرنے کی خاطر ان کی جیبوں پر جس طرح ڈاکہ ڈال رہے ہیں، یا بھوک کی وجہ سے لوگوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، یہ اس بات کی واضح شہادت ہے کہ حبِ جاہ، حبِ مال جیسی بیماریاں انسانیت کیلئے سم قاتل ہیں۔

ضرورت ہے کہ ان بیماریوں سے نجات حاصل کرنے اور نفس کی وسیع دنیا کے اندر موجود درندوں سے نفس کے جنگل کو صاف کرکے، نفس کو نفس مطمئنہ بنانے کے کام کو سارے کاموں پر ترجیح دی جائے، اسی سے انسانیت کی فلاح اور نجات وابستہ ہے۔

ضمیر کی بیداری کے بغیر انسانیت کا نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہونا:

اس وقت پوری انسانیت بڑے بحران کی زد میں ہے، یہ بحران معاشی بھی ہے، اخلاقی و روحانی اور ضمیر کی مردگی کا بھی، ایک طرف عالمی سرمایہ دار نے انسانوں کے خون پسینے کی محنت کو نچوڑ کر مالدار سے مالدار تر بننے کی روش اختیار کی ہے، اس مقصد کیلئے جمہوریت اور حریت پسندی کا نقاب اوڑھ لیا ہے، دوسری طرف تیسری دنیا کے ممالک میں مقتدر اور مؤثر طبقات نے ملی بھگت کرکے، لوٹ مار کا ایسا سلسلہ شروع کردیا ہے کہ دولت پانچ پرسنٹ افراد میں سمٹ کر رہ گئی ہے اور عام آبادی نانِ شبینہ کی محتاج ہوگئی ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس بحران سے نکلنے کے سارے راستے مسدود ہوگئے ہیں اس لئے کہ یہ بحران دراصل انسانی حس کی مردگی اور ضمیر کے خاتمہ کا بحران ہے، نیز یہ

حرص وہوس کے بے لاگ جذبات کا بحران ہے، جس پر بہتر سے بہتر قانون سازی اور بہتر سے بہتر عدالتی نظام سے بھی قابو نہیں پایا جاسکتا۔

جب تک ضمیر بیدار نہ ہو، فطرت سلیمہ کی حفاظت کا اہتمام نہ ہو، پاکیزہ روحانی صلاحیتوں کی ارتقاء کی صورت پیدا نہ ہو، اس وقت تک اس بڑھتے ہوئے ہولناک بحران سے بچا نہیں جاسکتا۔

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کا ایسا نظام قائم اور رائج ہو، جس کے ذریعہ فرد کی سوئی ہوئی انسانی حس بیدار ہو، انسان کے اندر موجود ملکوتی قوتوں کو نفسی وجود پر غالب کرنے کا اہتمام ہو، یہ سارا کام ایسا ہے، جس کا تعلق باطن کی تبدیلی سے ہے، خارجی زندگی میں حقیقی تبدیلی داخلی تبدیلی ہی سے ہو سکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اہل سیاست کو ایک دوسرے کیلئے جذبات احترام کی ضرورت:

ہماری سیاست، صحافت اور الیکٹرانک میڈیا نے جو صورت اختیار کی ہے، وہ بڑی تشویشناک ہے، یہ ادارے تو ایسے ہیں جو کسی بھی قوم وملت کی صحیح ذہن سازی اور تربیت کا ذریعہ ہوتے ہیں، جب کہ ہمارے یہ ادارے ایک دوسرے سے نفرت، کدورت، دُوری و دشمنی پیدا کرنے، ایک دوسرے کی کردار کشی، قوم کی صحیح بنیادوں پر تعمیر کی بجائے حالات، مسائل و معاملات کے منفی پہلو کی پیشکش کا موجب ہیں۔

ہماری سیاست طویل عرصہ تک دولت کمانے، اقتدار پر زیادہ سے زیادہ عرصہ تک فائز رہنے اور منصب کے حصول کا ذریعہ رہی ہے، اس لئے اقتدار سے محروم اہل سیاست کی ساری کاوشیں حکمرانوں کو ان کے عہدوں سے معذول کر کے، خود حکمرانی پر فائز رہنے کے مرکز کے گرد گھومتی ہیں، ہماری صحافت اور میڈیا سیاستدانوں کی باہمی لڑائی کو مرچ مصالحہ لگا

کرپشن کرتی ہے، جس سے جہاں قومی اتحاد مجروح ہوکر، انتشار کی صورت پیدا ہوتی ہے، وہاں قوم کی منفی بنیادوں پر ذہنی تربیت ہوتی ہے اور سیاسی گروہ بندی مستحکم سے مستحکم تر ہوتی ہے۔

ہمارے اہل سیاست کو وسعتِ نظری کا ثبوت دینا چاہیے اور دولت اور منصب کے حصول کی خاطر سیاست کو ایک دوسرے سے تصادم کا ذریعہ بنانے کی بجائے سیاست کے صحت مندانہ آداب کا سلیقہ سیکھنا چاہیے، اگر اہل سیاست اور حکمران ہی ایک دوسرے سے متصادم ہونگے اور تصادم کو وظیفہ بنائیں گے تو قومی تعمیر کے منصوبے کیسے شرمندہ تعبیر ہونگے، اس مقصد کیلئے زبان کو قابو کرنے کا طریقہ سیکھنا ہوگا، اپنے جذبات کے مظاہرہ کیلئے احتیاط سے کام لینا ہوگا، اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ دِل میں ایک دوسرے کیلئے احترام کے جذبات موجود ہوں، ورنہ قوم کے اجتماعی شیرازے کے بکھرنے کا جو عمل جاری ہے، اس میں تیزی آتی جائے گی اور اجتماعی زندگی کی بہتری کی صورتیں مسدود ہوتی جائیں گی، اس طرح ہماری سیاست قوم کیلئے بڑا المیہ بن جائے گی۔۔

ملت اسلامیہ کی اقتصادی اساس

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

آج اس مختصری گفتگو میں مجھے دواہم باتیں کرنا ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ بھی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے متصل بعد ہی زکوٰۃ کا حکم دیا گیا بلکہ اکثر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے ساتھ ہی واتو الزکوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں۔کہیں پر زکوٰۃ کا لفظ موجود نہیں ہے تو قیام صلوٰۃ کے حکم کے فوراً بعد طعام مسکین کا ذکر ہے۔یتیم کی کفالت کا ذکر ہے،غریب اور ہمسایہ کی خبر گیری کی تلقین ہے۔حد یہ ہے کہ سورۃ مدثر میں جب دوزخیوں کا ذکر کیا گیا تو وہ بھی اس انداز میں کیا گیا: "اہل دوزخ سے جب یہ پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں ڈال دیئے گئے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔اوران باتوں کا مذاق اڑانے والوں میں شامل رہا کرتے تھے۔"

دیکھئے!یہاں پر بھی نماز اور غریب پروری کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا۔قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح سے نماز کے ساتھ زکوٰۃ،غریب پروری،طعام مسکین اور یتیم کی کفالت کا ذکر ہے،اس طرح سے نماز کے ساتھ روزہ،حج یا دیگر عبادات کا ذکر نہیں ہے۔سچی بات یہ ہے کہ میں ایک عرصہ تک اس مسئلہ میں پریشان رہا کہ نماز کا آخران معاشی مسئلوں کے ساتھ ہی ربط کیوں ہے!ہمارے عام رجحان کے مطابق نماز کا ربط تو روزہ اور حج کے ساتھ ہونا چاہئے تھا،لیکن قرآن مجید ہمارے اس رجحان کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ

اس کے نزدیک نماز اور غریب پروری کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔

میری سمجھ میں بات کچھ یوں آئی ہے کہ نماز اور زکوۃ ہی دراصل ملت اسلامیہ کی اقتصادی اساس ہیں۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ زکوۃ اسلام کی اقتصادی اساس ہے، لیکن نماز کس طرح اقتصادی اساس ہوگئی؟ آیئے اس پر غور کریں۔

نماز اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کی بہترین شکل ہے۔ اس اللہ سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ جو رحمت کا منبع اور رحمت کو لٹانے والا ہے۔ اس کی رحمت کا ایک عکس ما تمام کائنات پر پڑا تو کروڑہا کروڑ ماؤں کی مامتا بن گیا۔ تو نماز نام ہے اس پیار والے سے نسبت قائم کرنے کا۔ جب یہ نسبت قائم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحیمیت کی صفت، اس کی مامتا کا جوش انسان کی شخصیت میں منعکس ہو جاتا ہے۔ ایک نمازی، ہاں مگر صحیح نمازی رحمٰن و رحیم سے تعلق قائم کرنے کے بعد سراپا مامتا بن جاتا ہے۔ وہ اس مامتا کو لٹانے کے لیے بے قرار ادھر اُدھر ہمسایوں میں غریب رشتہ داروں میں، یتیموں میں، مستحق و محروم لوگوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور جو بھی اس کی مامتا کو قبول کر لیتا ہے اور اس سے معاشی مدد لینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ نمازی اس غریب کا احسان مند ہوتا ہے۔ اس نمازی کو دن میں پانچ مرتبہ مسجد کے اندر موقع دیا جاتا ہے کہ اپنے محلّہ داروں کو قریب سے دیکھ لے۔ کون بیماری کی وجہ سے غیر حاضر ہے۔ کونسا ہمسایہ پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر اپنی غربت کی دہائی دے رہا ہے۔ کس مسلمان کا چہرہ بھوک یا معاشی تنگی کی وجہ سے مرجھایا ہوا ہے۔ اور کونسا ساتھی ہے جو اپنی غربت اور تکلیف کو چھپانا چاہتا ہے مگر وہ چھپائے نہیں چھپتی۔ چنانچہ نمازی کو دن میں پانچ مرتبہ اپنے ہمسایوں کے حالات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہوئی مامتا اپنے ہمسایوں، غریبوں اور یتیموں پر لٹا سکے۔ اس طرح سے نماز غریب پروری، طعام مسکین یتیم کی کفالت اور زکوۃ

کی صحیح ادائیگی کا ذریعہ بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے دور میں جب نماز اور زکوٰۃ کے نظام کو ساتھ ساتھ اختیار کیا گیا تو لوگ ہاتھوں میں زکوٰۃ کی رقم لئے لئے پھرتے تھے مگر زکوٰۃ وصدقات قبول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات مجھے یہ کرنا ہے کہ اسلامی نظام پورے کا پورا ہی کامیابی کے ساتھ نافذ ہوسکتا ہے۔اگر اسے جزوی طور پر یعنی اس کا صرف معاشی یا صرف سماجی یا صرف سیاسی حصہ لے کر کسی اور نظام کے ساتھ پیوند کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ کامیاب نہیں ہوگا، نہ اِس دنیا میں نہ اُس دنیا میں۔ اسلام کا معاشی نظام یا زکوٰۃ کا نظام نماز کے نظام سے علیحدہ ہوکر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔نماز کو زکوٰۃ سے کاٹ کر علیحدہ کردیجیے، زکوٰۃ کے نظام میں بھی وہی بددیانتی اور خوردبرد شروع ہو جائے گی جو ٹیکسیشن کے کسی بھی غیر اسلامی نظام میں ہوا کرتی ہے، نماز کی حیثیت دراصل نیک کام پر ابھارنے والی ایجنسی کی ہے۔بالکل اسی طرح جیسے آج کل کے ترقی یافتہ نظاموں میں تحریک (Motivation) پر بہت زور دیا جاتا ہے۔اسلام کا معاشی نظام اعتدال کی ایک بہترین مثال ہے۔انسان کے بنائے ہوئے نظام خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں انتہاپسندی اور افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں۔

انسان نے سوچا کہ ہر شخص آزاد معیشت (Less Fair Economy) کے تحت غیر محدود ملکیت کا حقدار ہونا چاہئے! چنانچہ سرمایہ داری کا نظام اُبھرا، جس نے آزاد معیشت کے بہانے کسان و مزدور کا اس قدر استحصال کیا کہ انسانی فکر کو حقِ ملکیت کے خلاف بغاوت کرنا پڑی۔انسانی فکر اپنی فطری انتہاپسندی کی وجہ سے بھول گئی کہ اصل قصور حد سے زیادہ سرمایہ رکھنے والے سرمایہ دار اور ضرورت سے زیادہ جاگیر رکھنے والے جاگیردار کا ہے۔

انسانی فکر نے جوش وغضب میں آ کر سرے سے انسان کے بنیادی حق یعنی حق ملکیت کا ہی انکار کردیا۔ کارخانہ دار اور جاگیردار تو تہ تیغ ہوئے مگر بہت بڑی تعداد میں غریب کسان اور دستکار بھی مارے گئے جن کے پاس ضرورت کے مطابق محدود زمین اور محدود سرمایہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں ایسے غریب کسان قتل کر دیئے گئے، جن کی زمین چار ایکڑ سے زیادہ نہ تھی۔ غرض اپنی انتہاپسندی کی وجہ سے انسان کا فکر یا تو لامحدود ملکیت کا قائل ہے اور یا سرے سے ملکیت کے حق کا ہی انکار کردیتا ہے۔ وہ یہ بنیادی بات بھول جاتا ہے کہ خرابیِ حقِ ملکیت میں نہیں بلکہ لامحدود حقِ ملکیت میں ہے۔ دیکھئے! اسلام کی تعلیمات اس افراط وتفریط کے عین وسط میں عین اعتدال کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ ہے محدود ملکیت کا تصور۔

یہی صورت ذرائع پیداوار کو قومیانے (Nationalization) کے مسئلہ میں ہے۔ انسانی فکر یا تو سرے سے قومیانے کا انکار کردیتی ہے یا دوسری طرف ہر ذریعہ پیداوار کو (Nationalize) کر دیتی ہے۔ دیکھئے! یہاں پر بھی اسلام کی تعلیمات عین اعتدال پسندانہ نظر آتی ہیں اور وہ یہ کہ قومیانے کے حسب ضرورت محض اجازت ہے، نہ یہ فرض واجب اور نہ ہی ممنوعِ مطلق۔

تو اسلام کا نظام، نظامِ اعتدال ہے۔ اس میں انتہاپسندی اور افراط وتفریط کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

ناقابل تسخیر شخصیت کے تخلیقی عناصر

(محمد بشیر جمعہ)

ایک نہر ہے جو تیزی سے بستی قرب و جوار کی بستیوں میں تباہی مچا رہی ہے۔ اہل بستی کو یقین ہو گیا کہ اگر بہاؤ کا یہی حال رہا تو سب ہی غرق ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ کے حل کیلئے اہل بستی کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اپنی تمام قوت اور اسباب اس کو روکنے اور بہاؤ کے آڑے آنے پر صرف کر دیئے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وجہ یہ تھی کہ پانی کو ایک جگہ سے روکا جاتا تو دوسری طرف سے بہہ نکلتا اور دباؤ کے باعث مزید تباہی پھیل رہی تھی۔

دوسرا گروہ اس بات پر مصر تھا کہ اس کا سرچشمہ تلاش کیا جائے تاکہ اسے بند کرنے سے اس نہر کا زور کم ہو اور نقصان سے محفوظ رہا جا سکے۔ سرچشمہ مل تو گیا مگر ایک سوتا بند کیا جاتا تو دوسرے سوتے سے پانی خارج ہونے لگتا۔ چشمے کے بہنے میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی اور تمام سوتوں کا بند کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اس گروہ کے اس اقدام سے بھی بستی والوں کے مکانات اور کھیتیاں نہ بچ سکیں۔

تیسرا گروہ ان تجربات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے دونوں گروہوں کے طریقہ کار سے مسئلہ کا کوئی حل سامنے نہیں آیا۔ اس گروہ نے نہ تو پانی روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی سوتے بند کرنے کا تہیہ کیا بلکہ اس نے اپنی تمام تر کوشش اس پر صرف کی کہ پانی کے اس بہاؤ کو حسب منشاء صحیح راہ پر لگا دیا جائے اور یہ کوشش شروع کی کہ نہر کا رخ بنجر زمینوں، قابل زراعت کھیتوں کی جانب پھیر دیا اور جگہ جگہ ضرورت کیلئے پانی کے تالاب بنا دیئے، نتیجہ یہ نکلا

کہ تمام زمین سبزہ زار ہوگئی اور ثمرات سے مالا مال ہونے لگی۔

بلاشبہ تیسرا گروہ کامیاب رہا جبکہ پہلے اور دوسرے گروہ نے وقت ضائع کرنے اور بے نتیجہ محنت کرنے کے سوا کچھ نہ کیا۔

ہماری قومی زندگی کے حالات اور اس کے تقاضے:

ہمیں یہ احساس ہے کہ نہر کے بہاؤ میں دو عناصر ہوتے ہیں، ایک تو پانی اور دوسرے اس کے ساتھ چلنے والی مٹی۔ یہ دو عناصر حضرت انسان میں بھی ہیں۔ اس تمثیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری خواہش ہے کہ قومی زندگی کے اس مرحلے پر تیسرے گروہ کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے نا قابل تسخیر اور موثر شخصیت کا کردار ادا کرسکیں تاکہ دین اور دنیا کے تقاضے پورے کرسکیں۔ اس سلسلے میں صرف مطالعے ہی سے کام نہیں چلے گا بلکہ اپنی شخصیت کے ارتقاء اور کامیابی کیلئے تحریری طور پر بھی لائحہ عمل بنانا ہوگا۔ ہمیں یہ احساس ہے کہ موثر شخصیت، وقت کے بہترین استعمال اور زندگی میں کامیابی کیلئے اہم کردار ادا کرتی ہے:

تخلیقی عناصر

1- ٹھوس نظریۂ حیات:

آپ جس نظریۂ حیات کے حامل ہیں، اس کی بنیادوں اور بنیادی فلسفہ واعتقاد کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ یہ اعتقاد ٹھوس ہو، محض توجیہات پر مشتمل نہ ہو۔ اس نظریہ حیات کے باعث آپ میں مقصد حیات کا سچا شعور پیدا ہوگیا ہو اور اس کی علامتیں ظاہر و باطن، دونوں میں اُبھر رہی ہوں۔ آپ کو ہوشیار، بیدار مغز اور اصول پرست ہونا چاہیے۔ ہم مسلمان ہیں، حق و باطل کے ساتھ بیک وقت رشتہ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ سیرت کی ان تمام کمزوریوں کا

احساس کیجئے جو آپ کی ذات میں باطل کو گھسنے کا موقع دیتی ہیں۔اپنی حیثیت کا جائزہ لیجئے اور
''لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول'' پر عمل پیرا رہیے۔

2- اُصولوں کا علم اور اُن پر عمل:

آپ کو آپ کے نظریہ حیات کا علم ہو، جو علم آپ نے حاصل کیا ہے اور جس تعلیم میں پیش رفت کی ہو، اس کے اصولوں کا ادراک اور احساس ہو اور اسکے ساتھ ان پر عمل بھی ہو۔اصول، گفتگو اور بحث اپنی ذات کو نمایاں کرنے کیلئے نہ ہوں بلکہ عمل کرنے کیلئے ہوں، تب ہی آپ کامیاب ہونگے۔سچائی اور ایمانداری، ہر نظریہ حیات اور مذہب کے بنیادی اصول ہیں، آپ لوگوں کو ان کی تعلیم دیں مگر اپنے معاملات میں ان پر عمل نہیں کریں گے تو آپ بے اعتبار شخصیت بن جائیں گے۔جیسے، جب جھوٹ کی گنجائش ہو تو جھوٹ بول دیں، کاموں کو مؤثر کرکے، ٹیکس اور سسٹم میں مروّجہ طریقہ کے ذریعے مفادات حاصل کر کے کام کرلیا جائے تو آپ فوری طور پر تو فائدہ اُٹھالیں گے، مگر سکون حاصل نہیں ہوگا اور آپ کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

3- اخلاص نیت اور اخلاص عمل:

منہاج القاصدین، میں علامہ ابن جوزیؒ نے بیان کیا ہے کہ ارباب بصیرت کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سعادت تک پہنچنے کیلئے علم اور عبادت نہایت ضروری ہے۔

ہمارے ہاں اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔نیت کے مطابق شعور کے ساتھ عمل کرنا بھی ضروری ہے۔بعض اوقات ان کو عمل کی فرصت نہیں ملتی مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس نیت کا اجر مل جاتا ہے۔ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی نیت کا احتساب کریں۔

4- احساس ذمہ داری:

اس دنیا میں ہم سب لوگ ذمہ دار ہیں۔ ہر فرد کسی نہ کسی انداز سے راعی (رعایا کا نگراں) ہے۔ ہمیں اپنی رعایا کا احساس کرنا ضروری ہے اور پورے شعور کے ساتھ ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ پھر ان ذمہ داریوں کو بھر پور طریقہ سے ادا کرنے کی کوشش بھی ضروری ہے۔ ذمہ داری میں اہل خانہ بھی شامل ہیں، دفتر کے معاملے میں ملازمت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ آپ کے ساتھیوں اور ماتحت افراد کی ذمہ داری بھی شامل ہے۔ سرکاری ملازم ہیں سرکاری وقت، وسائل اور خزانے کے متعلق ذمہ داریوں کا احساس اور ادائیگی ضروری ہے۔ کاروباری ہیں تو اس کے تقاضوں کا شعور، قیمت کا تعین، ملازمین کی تنخواہیں اور ان کی خوشحالی، اس کے ساتھ ساتھ کاروبار کی ترقی اور پھیلاؤ کی کوشش اور معیار کا برقرار رکھنا، ذمہ داریوں میں شامل ہے، پس ہر حال میں کام کا حق ادا کیجئے۔

5- شجاعت:

ضرورت اور حاجت کے وقت مصائب و خطرات کا ثابت قدمی سے مقابلہ شجاعت کہلاتا ہے۔ جو شخص نتائج پر نگاہ رکھے اور ان کے پیش آنے سے خوف زدہ ہو مگر جب وہ سامنے آجائیں تو ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرے تو وہ مرد بہادر ہے اور جب کوئی شخص موقع محل کی مناسبت سے بہترین کارگزار ثابت ہو، وہ ''شجاع'' ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ خطرے میں کود ہی جائیں تو آپ بہادر ہوں گے بلکہ بہادر اس حالت میں بھی سمجھا جائے گا کہ نتیجہ پر نگاہ رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس خطرے کے موقع سے بچنا ہی بہتر طریقہ کار ہے اور اس کا فرض بھی اسے اس بات کا حکم دیتا ہو کہ وہ اپنے آپ کو خطرے سے بچا لے۔ درحقیقت سب سے بڑی بہادری مصیبت اور تنگی کے وقت دل کا اطمینان اور حاضر حواسی ہے،

اس لئے بہادر وہ ہے کہ جب اس پر سخت وقت آئے تو اپنے اطمینان، بیداری اور حواس کو نہ کھو بیٹھے بلکہ قابلیت اور شجاعت قلبی سے اس کا مقابلہ کرے اور ذہن اور مطمئن عقل کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرے۔

6- حیاء:

انسان میں ایک ایسی قوت اور ملکہ ودیعت کیا گیا ہے جس سے انسان خیر کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور شر سے بچنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے، اس قوت یا ملکہ کا نام ''حیاء'' ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: 1- ''حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

2- ''حیاء خیر کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیتی۔''

خیر وشر پوشیدہ معانی ہیں جو صرف اپنی ان علامتوں کے ذریعے ہی پہچانے جاتے ہیں، جو ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ پس خیر کی بہترین علامت حیاء وشرم ہے اور شر کی علامت بے حیائی ہے۔ ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے: ''انسان سے اس کے اخلاق کے متعلق نہ پوچھو، خود اس کے چہرے مہرے میں اس کے اخلاق کی شہادت موجود ہے۔'' ایک مقولہ ہے: ''اے اولادِ آدم! جب تجھ میں حیاء نہ رہے تو جو تیرا جی چاہے کر۔''

7- میانہ روی و اعتدال:

علامہ ابن خلدون کے ''مقدمہ ابن خلدون'' کے ایک خط کا اقتباس ذیل میں نقل کیا ہے۔ جس میں انہوں نے میانہ روی اور اعتدال کے بارے میں کہا ہے: '' تم اپنے تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کرو، کیونکہ اس سے زیادہ نفع بخش، امن وحفاظت کی ذمہ داری اور فضیلت اور بزرگی کی نشانی کوئی اور نہیں اور یہ اعتدال ہی انسان کو بھلائی اور بزرگی کی طرف لے جاتا ہے اور بھلائی توفیق ایزدی کی نشانی ہے اور توفیق سعادت کی طرف رہنمائی

کرتی ہے بلکہ خود دین وسنتِ رسول اللہ ﷺ کا قرار اسی اعتدال سے ہے اور دنیا کی اصلاح کا بھی اسی پر مدار ہے۔"

تعمیر وترقی شخصیت میں میانہ روی اور اعتدال وتوازن اہم عناصر ہیں۔ یہ چیزیں مزاج کیلئے بھی ضروری ہیں، کام کاج کیلئے بھی، تعلقات اور معاملات کیلئے بھی، اور اخراجات کیلئے بھی۔ غرض زندگی کے ہر معاملے میں یہ تعمیر وترقی میں بڑی مدد ومعاون ثابت ہوتی ہیں۔

8- صبر وتحمل:

صبر دو قسم کا ہے، ایک بدنی جیسے مشقت برداشت کرنا اور عبادت کے مشکل اعمال برداشت کرنا۔ دوسرا نفسانی، یہ خواہش کے تقاضے اور طبیعت کی مرغوب چیزوں سے رُک جانا ہے۔ صبر کی یہ قسم اگر پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش سے متعلق ہو تو اس کا نام "عفت" ہے۔ اگر میدان جنگ میں صبر ہو تو اس کا نام "شجاعت" ہے۔ اگر غصے کو دبانے سے متعلق ہو تو اس کا نام "حلم" ہے۔ اگر زائد ضروریات سے روکنا ہو تو اس کا نام "زہد" ہے۔ اور اگر تھوڑی سی ضروریات پر مطمئن ہونا ہو تو اس کا نام "قناعت" ہے۔

صبر وتحمل صرف مشکل وقت کیلئے ہی مخصوص نہیں بلکہ بہتر وقت میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ مومن مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور عافیت پر صرف صدیق ہی صبر کر سکتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ تکلیفوں سے ہماری آزمائش ہوئی تو ہم نے صبر کیا لیکن جب نعمت وآسائش سے آزمائش ہوئی تو ہم صبر نہ کر سکے۔ جواں مرد صرف وہ ہے جو عافیت میں بھی صبر کرے اور یہ صبر، شکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب تک شکر کے حقوق ادا نہ ہوں، صبر پورا نہیں ہوتا اور نعمت میں صبر مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہاں (تکلیف میں) قدرت حاصل ہوتی ہے، جیسے کھانا نہ ہونے کی صورت میں بھوکا زیادہ

صبر کر سکتا ہے بہ نسبت لذیذ کھانا موجود ہونے کے۔

صبر کا اپنا وصف ہے ۔ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ: ''اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور معرفت کا یہ حق ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور اپنی مصیبت کا ذکر نہ کرو۔'' حکماء کہتے ہیں کہ مصیبت کا چھپانا نیکی کا خزانہ ہے۔ ایک آدمی نے امام احمدؒ سے پوچھا: ''اے ابوعبیداللہ! آپ کا کیا حال ہے۔ !فرمایا: میں نے جب تم سے کہہ دیا کہ میں عافیت سے ہوں تو بس کافی ہے۔ تم مجھ سے وہ بات کیوں کہلوانا چاہتے ہو، جس کا زبان پر لانا مجھے پسند نہیں۔''

9- استقامت و باقاعدگی:

اپنے معاملات اور اصولوں پر عمل درآمد میں استقامت اور باقاعدگی بہت جلد آپ کی شخصیت کو شاہراہِ کامیابی پر گامزن کر دے گی۔ اصولوں پر عمل کی عادت ڈالیے۔ کاموں کو باقاعدگی اور استقامت کے ساتھ کیجئے اور جائزہ لیتے رہیے۔

10- خوفِ خدا اور خوفِ آخرت:

تعمیرِ شخصیت کے تخلیقی عناصر میں اور ہماری رفتارِ کار اور استعدادِ کار میں اضافے کا ایک اہم ذریعہ بلکہ بنیادی ذریعہ خوفِ خدا ہے۔ خدا خوفی ہمیں برے اعمال سے بچائے گی، جب ہم بہت ساری گلیوں میں گھومنے سے بچ کر صرف ایک سیدھی راہ پر آجائیں گے اور ہمارے سامنے ایک عظیم ذات کے وجود کا احساس اور اس کی صفات و قدرت کا خوف ہوگا تو پھر ہمارے لئے اس سیدھی راہ پر سیدھا اور تیز چلنا آسان ہوگا کہ آخرت کی گھڑی ہماری نظروں کے سامنے ہوگی اور اس شاہراہ پر بھی نظریں ادھر اُدھر نہیں گھومیں گی۔

11- حکمت:

حکمت..... علم اور اس کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔ابن قتیبہؒ نے کہا کہ آدمی اس وقت تک حکیم نہیں ہوتا جب تک علم اور عمل کو جمع نہ کرے۔حکمت،نفس کی اس حالت کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسان تمام اختیاری اُمور میں خطاوصواب کے درمیان تمیز کرتا ہے۔حکمت وعقل کے اعتدال سے حسن تدبیر،ذکاوت ذہن،باریک بینی،صحیح الخیالی نیز دقیق اعمال اور پوشیدہ آفات،نفس میں تیزفہمی،جیسے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

12- اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے:

ہر وقت یہ احساس رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔حسن نیت،عزم اور صحیح طریقہ کار کے مطابق محنت کرکے اپنے معاملات کے نتائج اللہ کے سپرد کردینے چاہئیں۔"اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"،کا احساس انسان کی نیکیوں میں اضافے اور برائیوں سے روکنے کا باعث ہوتا ہے۔اسی احساس کے نتیجہ میں اس میں غیر مرئی قوت محرکہ اور قوت عمل پیدا ہوتی ہے اور اس کیلئے حالات سازگار ہو جاتے ہیں۔

13- نفس سے سبقت اور احتساب:

انسان پر حسد،حرص،غضب،شہوت اور تندی وتیزی بہت جلد غالب آجاتی ہے اور شیطان ان راستوں سے اس پر حملہ کرتا ہے۔بغیر تحقیق اور جلد بازی سے کام کرنا بھی اطاعت نفس ہے اور ہم اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ یہ جذبات وکیفیات بہت جلد غالب آجاتی ہیں۔بدگمانی،موجودہ دور کے مسلمانوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔مسلمانوں کو ایٹمی قوت تباہ نہیں کرسکتی مگر بدگمانی تباہ کردیتی ہے،بس اس صورت میں کنٹرول اور عقل کی ضرورت ہے۔ ''تم نے نفس امارہ کو مارا تو تم نے ایک بڑے موذی کو مارا''

اس کے ساتھ ساتھ انسان کو روزانہ رات کو سونے سے قبل احتساب بھی کرنا چاہیے کہ بقول حضرت جنید بغدادیؒ: ''تم ہر وقت یہ سوچتے رہو کہ خدا سے کتنے قریب ہوئے، شیطان سے کتنے دُور، جنت سے کتنے قریب اور دوزخ سے کتنے دُور۔''

14- دُعا:

تعمیر شخصیت میں دُعا کا اہم مقام ہے۔ دُعا سب سے پہلے اپنی شخصیت کیلئے مانگنی چاہیے جیسے ''اے اللہ! تو نے مجھے اچھی صورت میں پیدا کیا۔ اب میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔'' دُعا نفس کی شرارتوں سے بچنے کیلئے، عزائم کی بلندیوں قوتوں کی بحالی اور حالات کی سازگاری اور خوشگواری کیلئے، رزق حلال کیلئے، بہتر استعداد کیلئے، سخت گیر لوگوں کے دِلوں کی نرمی کیلئے بھی ہونی چاہیے۔ دُعا میں یقین کی کیفیت ضروری ہے۔ کسی گاؤں میں بارش نہیں ہو رہی تھی، نماز استسقاء کا اعلان ہوا۔ گاؤں والے میدان میں جمع ہو گئے۔ دیکھا گیا کہ ایک گیارہ سالہ بچی بھی اپنے ہاتھ میں چھتری لئے میدان کی طرف آ رہی تھی، لوگوں نے کہا: بیٹی! ہم تو ابھی بارش کی دُعا مانگنے جا رہے ہیں تو چھتری لئے کیوں! آ رہی ہے۔'' بچی نے معصومیت سے جواب دیا: ''جب ہم دُعا مانگ کر واپس آ رہے ہونگے تو اس وقت تو بارش ہو رہی ہوگی۔'' بس! زندگی میں کامیابی کیلئے یقین کی یہی کیفیت مطلوب ہے۔

شفا کی خوشبو

(حکیم طارق محمود الحسن)

پانی

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق آگ، ہوا، مٹی اور پانی جیسے لاثانی اجزاء سے کر رکھی ہے۔ پانی ارکان اربع میں سے اہم ترین رکن ہے۔ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی انسان کی صحت کے لیے کیوں ضروری ہے؟ زندگی اور صحت کو برقرار رکھنے کیلئے سب سے ضروری چیز پانی ہے۔ تندرستی کو قائم رکھنے کیلئے سب سے ضروری چیز پانی ہے۔ تندرستی کو قائم رکھنے کیلئے ہمیں پاک صاف اور پاکیزہ پانی کی بھی ضرورت ہے۔ گندہ اور غلیظ پانی پینے سے ہماری تندرستی بگڑ جاتی ہے۔ معدے اور آنتوں کی مختلف بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بدہضمی ہو جاتی ہے۔ دست آنے لگتے ہیں۔ پیچش ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات پانی میں خطرناک اور مہلک وبائی امرض کے جراثیم کی آمیزش ہوتی ہے۔ کثیف پانی پینے سے انسان ٹائیفائیڈ اور ہیضہ جیسے موذی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خالص اور پاکیزہ پانی بقائے حیات کیلئے ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اگرچہ پانی میں بذات خود کوئی غذائیت نہیں مگر یہ ہماری غذا اور خون کا ضروری جزو ہے۔ یہ ہمارے جسم کی بناوٹ میں ستر فیصد کے قریب پایا جاتا ہے۔

پانی کا استعمال دوسری غذاؤں کے ساتھ اس لیے ضروری ہے کہ یہ غذا کو رقیق بنا کر ہضم کے قابل بناتا ہے اور انہیں سیال شکل میں رکھتا ہے۔ یہ دوسرے غذائی اجزاء کو باریک باریک رگوں میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ فضلات کو رقیق بنا کر بول و براز اور پسینے کے راستے خارج ہونے میں سہولت بخشتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے خون کا دوران قائم ہے۔ اور ہمارے حسیات و خیالات بجلی کی

طرح حرکت کرتے رہتے ہیں ۔پانی کی تاثیر سرد تر درجہ اوّل ہے ۔یہ پیاس کو بجھاتا ہے ۔بے ہوشی ،تھکاوٹ ،ہچکی، قے اور قبض کو دور کرتا ہے ۔یرقان اور پیشاب کی جلن میں مفید ہے ۔جسم کے زہروں کو پیشاب اور پسینے کے راستے خارج کرتا ہے ۔خوراک کے ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے ۔اور خون کو گاڑھا یا خراب ہونے سے محفوظ رکھتا ہے ۔پانی کھانے کے درمیان معمولی مقدار میں اور کھانے کے ایک دو گھنٹہ بعد کافی مقدار میں پیا ہضم کے فعل کو قوی کرتا ہے ۔اور اس طرح غذا کے طاقت بخش اجزا بخوبی جزو بدن ہو کر صحت کو برقرار رکھتے ہیں ۔کھانا کھانے سے پہلے اور فوراً بعد پانی پینے سے قوت ہاضمہ کمزور اور طاقت کم ہو جاتی ہے ۔جسم پھولنے لگتا ہے ۔البتہ کھانے کے دوران میں ایک ایک دو دو گھونٹ پانی پینے سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے ۔لیکن اس میں بھی اعتدال لازمی ہے ۔گرمی کی وجہ سے بھوک نہ لگتی ہو تو کھانا کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے ٹھنڈا پانی پینے سے بھوک لگتی ہے ۔جن افراد کو اکثر و بیشتر قبض کی شکایت رہتی ہو انہیں کھانے کے دوران پانی پیتے رہنا چاہیے ۔اس کے علاوہ صبح خالی پیٹ پانی پیا بھی قبض کو رفع کرتا ہے ۔ہاضمہ درست رکھنے یا خون کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جب جسم کو پانی کی طلب ہوتی ہے تو اس کا اظہار پیاس کی صورت میں ہوتا ہے ۔اس لیے پیاس کو بہت دیر تک روکنا نقصان دہ ہے ۔

کم پانی پینے سے قبض کی شکایت اکثر ہو جاتی ہے ،اگرچہ اس مرض کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں لیکن پانی کی کمی بھی اس کا خاص سبب ہے ۔پانی کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ خون کو گاڑھا یا خشک ہونے سے بچاتا ہے چونکہ دل کی دھڑکن کے ساتھ خون ایک خاص مقدار میں جسم کی رگ رگ اور نس نس میں گردش کرتا ہے ۔ اس لیے گرمی اور ورزش سے گاڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس میں جسم کے میل شامل ہوتے رہتے ہیں ۔اس لیے اسے گاڑھا ہونے سے بچانے اور میل صاف کرنے کے لیے اس میں پانی کی مقدار کافی شامل ہونی چاہیے ۔اس کے علاوہ وہ جسم کے اندر کافی غلاظتوں کو صاف کرتا ہے ۔ہم جو پانی پیتے ہیں وہ جسم کے اندر سے سارا میل کچیل اور زہریلے مادّے جذب کر کے پیشاب اور پسینے کے راستے خارج کر دیتا ہے ۔

زخمیوں کو ہمیشہ پیاس زیادہ محسوس ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جسم کا بہت سا خون نکل جانے کے باعث جسم کو ضرورت ہوتی ہے کہ باہر سے کوئی چیز سیال اندر پہنچے تا کہ خون آسانی سے دورہ کر سکے۔بخار کی حالت میں بھی پیاس زیادہ محسوس ہوتی ہے کیوں کہ بخار کی گرمی خون میں سے پانی کے بہت بڑے حصہ کو بخارات کی صورت میں اڑا دیتی ہے۔اسہال اور ہیضہ وغیرہ بھی ایسی بیماریاں ہیں جن میں خون کا سیال حصہ کافی مقدار میں خارج ہوتا ہے اور دورانیہ خون قائم رکھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسی حالتوں میں اگر پانی میسر نہ آئے تو اکثر مریض اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی کی کمی کے باعث جان دے دیتے ہیں۔علاوہ بریں جسم سے بیماری کے زہریلا جراثیم کو باہر نکالنے کیلئے بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔خشکی کے غلبہ کے باعث زیادہ پیاس محسوس ہوتو نیم گرم پانی پینے سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔مریض خواہ کسی حالت میں ہو اگر وہ پانی مانگے تو ضرور پلانا چاہیے۔پانی کی ایک یہ بھی حیثیت ہے کہ وہ گرم چیزوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔چونکہ بخار کی حالت میں تمام اعضاء گرم ہوتے ہیں۔اس لیے انہیں کسی حد تک خنکی پہنچانے کے لیے بار بار پانی پیتے رہنا بہت مفید ہے۔پینے کا پانی صاف ستھرا اور ہر قسم کی ملاوٹ اور جراثیم سے پاک ہونا چاہیے۔بدبودار، سڑا ہوا، بدذائقہ اور باسی پانی قطعاً نہ پیا چاہیے۔بے موسم بارش کا پانی اور جوہڑوں کا پانی مضر صحت ہے۔وبائی امراض کے دنوں میں پانی کو جوش دے کر چھان کر صاف برتنوں میں بھر لینا چاہیے اور پھر ٹھنڈا ہونے پر پیا چاہیے۔

جماع کے فوراً بعد، گرم کھانے کے بعد، ترش اشیا کھانے کے بعد، کھیرا، ککڑی، تربوز، خربوزہ وغیرہ کے ساتھ یا بعد، سو کر اٹھنے کے فوراً بعد ورزش اور محنت کے فوراً بعد دودھ اور چائے کے بعد، نسوار لینے کے بعد اور جلاب ہو چکنے کے بعد پانی پیا نقصان دہ ہے۔ برف کا پانی بھی نقصان دہ ہے۔

پیر حرم کی کم نگاہی

(عبدالرشید ساہی)

راز حرم سے شائد اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ہوتے ہیں۔ قانون فطرت کے مطابق نہ کوئی قوم خود بخود بام عروج تک جاتی ہے اور نہ ہی کوئی قوم خود بخود زوال پذیر ہو کر پستی میں آ گرتی ہے بلکہ جب تاریخ کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قوموں کے لئے عروج و زوال، فتح و شکست، سر بلندی اور پستی کے اسباب ہوتے ہیں قرآن کریم سے یہ بات عیاں ہے کہ ہر قوم کو اس دنیا میں کام کرنے کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے اگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ قوم نتائج کی خود ذمہ دار ہوتی ہے جیسا کہ سورہ الاعراف میں ارشاد ربانی ہے:

"ہر قوم کیلئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی"۔

دراصل ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے کہ اس کے عمل میں خیر و شر کا کم سے کم کتنا معیار یا تناسب برداشت کیا جا سکتا ہے جب تک ایک قوم کی بری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلے میں تناسب کی اس آخری حد سے فروتر رہتی ہے اس وقت تک اسے تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی ہے

اور جب وہ اس حد سے گزر جاتی ہے تو پھر اس بدکار و بدصفات قوم کو مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی اس طرح ایک قوم کے عروج و زوال کا زمانہ اتنا ہی طویل ہوگا جتنی دیر وہ قوم اپنے کردار اور اوصاف جلیلہ کو برقرار رکھے گی علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

دراصل ہر معالج ایک ہی مرض کے لئے اپنا اپنا نسخہ تجویز کرتے ہیں اسی طرح امت مسلمہ کی رسوائی اور زوال کے اسباب ہر مصنف کی نظر میں مختلف ہیں مگر میں نے تو یہ محسوس کیا ہے ملت اسلامیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب قرآن حکیم سے دوری ہے اور اس میں سب سے بڑا ہاتھ علماء سو کا نظر آتا ہے بقول شاعر

ہے غارت چمن میں یقیناً کسی کا ہاتھ
پتوں پہ انگلیوں کے نشان دیکھ رہا ہوں

مفکر اسلام طبیب ملت، حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

اصل سبب قرآن کریم سے دوری و مہجوری ہے۔ جب اغیار نے ہم سے حکومت چھین کر ہمیں زندگی کے تمام شعبوں سے بے دخل کر دیا اور ہمارے قبضہ میں صرف مساجد رہ گئیں تو ہم نے عبادت کو غلط معنی پہنا کر دین کو صرف نماز، روزہ اور حج و دیگر بنیادی ارکان اسلام کی پابندی تک محدود کر لیا اور قرآن کی تعلیم کو صرف ثواب کے لئے مخصوص کر لیا حالانکہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے خدائی کلام ہے تخلیق کرنے والا خالق اکبر ہے تمام علموں کی

سردار ہے۔اس کلام کو نبی مکرم ﷺ پر لانے والا فرشتہ تمام فرشتوں کا سردار ہے اور جس مخبر صادق ﷺ پر یہ کلام نازل ہوا وہ رحمت عالم نبی ﷺ تمام نبیوں کا سردار ہے قرآن مجید صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے،زندہ جاوید حقیقت اور نا قابل انکار حقیقت۔ اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لئے باعث عزت وشرف بنا سکتا ہے اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزم علم و دانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے اگر حرم کعبہ میں 360 بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفت الٰہی کی شمع فروزاں کرسکتا ہے تو ہمارے صنم کدہ تصورات کے لات وہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کرسکتا۔ ہمارے ظلمت خانہ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کرسکتیں۔بخدا ہوسکتا ہے سب کچھ ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور ہمارا کاروان حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو ہمارے لئے قرآن نے تجویز کی ہے۔اے درماندہ راہ قوم! قرآن تمہیں عزت وعظمت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کرلو دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے۔تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو قرآن تمہیں واپس دلا سکتا ہے۔اگر تم اس کا حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

قرآن کیا ہے۔حاکموں اور آقاؤں کے لئے یہ موت کا پیغام ہے اور مال ومنال سے محروم یتیموں، بیواؤں مسکینوں اور ضعیفوں کے لئے خوشحالی کی نوید ہے اسلام کے نظام میں مانگنے والا یا محروم نظر ہی نہیں آتا۔اور اس میں نہ کوئی غلام ہوتا ہے نہ کوئی آقا وحاکم ہوتا ہے اور نہ کوئی محکوم ہوتا ہے"۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مرگ فرد از خشکی رود حیات

مرگ قوم از ترک مقصود حیات

فرد کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب اس کی زندگی کی ندی خشک ہو جائے لیکن قومیں اس وقت مرتی ہیں جب وہ اپنے مقصود حیات کو ترک کر دیتی ہیں۔

خیر الامت نے بھی جب نصب العین چھوڑ دیا جس کے لئے اسے تیار کیا گیا تھا تو وہ جہانگیری اور جہانبانی کے ولولوں سے محروم ہو گئی طائران لاہوتی اپنی پرواز بھول کر عالم خاک کے رزق کے پروانے بن گئے صحراؤں، دریاؤں اور فضاؤں میں تکبیر کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے مسجدوں اور خانقاہوں میں تسبیح و مناجات کرنے ہی کو دین کی معراج گردانا جانے لگا۔ اسطرح جب ولولے سرد اور ہمتیں دم توڑ گئیں تو ہم نے قرآن کے معنی کو اپنی فکر و کردار کی پستی کے مطابق ڈھالنے کے لئے نئی نئی تاویلوں کا سہارا لینا شروع کر دیا یعنی اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کا کام شروع کر دیا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

غبار راہ گزر ہیں کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

جو شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتا تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے اور نہ وہ وقت آ جانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹل سکتا ہے ہر امت کے لئے ایک مدت و مہلت مقرر ہے اور اگر وہ اس کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے تو اس کے لئے قانون خداوندی کے مطابق ہلاکت لازمی ہے اور اس کی ہلاکت کا وقت بھی مقرر ہے جیسا کہ سورہ الحجر میں ارشاد ربانی ہے

نوٹ: گزشتہ شمارہ فلاح آدمیت ماہ ستمبر 2021 میں عبدالرشید ساہی کے مضمون جمہوریت صفحہ نمبر 47 پہ شعر اور رباعی علامہ محمد اقبالؒ کے نام سے منسوب کیے گئے ہیں جبکہ پہلا شعر وقار انبالوی کا ہے اور رباعی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ہے اس کیلئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

"ہم نے اس سے پہلے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لئے ایک خاص مہلت عمل لکھی جا چکی ہے کوئی قوم اپنے وقت مقررہ سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ اس کے بعد چھوٹ سکتی ہے"۔

علامہ اقبال نے قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں نہایت ہی فکر انگیز اور نئی بات کہی ہے وہ یہ کہ اگر چہ ہر قوم اور ملت کے لئے موت متعین ہے مگر امت مسلمہ اس کلیہ سے مستثنیٰ کر دی گئی ہے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ دقیق نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت تا ابد اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور اس کی ظاہری صورت یہی ہے کہ اس کتاب کے ماننے والے موجود ہوں جن کے توسط سے یہ کتاب محفوظ ہے قرآن حکیم نے اس حقیقت کو بالکل واضح طور پر بیان کیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

"یعنی غلبہ تم ہی کو حاصل رہے گا بشرطیکہ تم مومن رہو"۔ بقول شاعر!

جہاں مردان حر بستے ہیں ایک ہیبت سی ہوتی ہے
نہیں باطل کو ہوتا خوف ہرگز نازنیوں کا
جواں قومیں ہوا کرتی ہیں بس خون شہیداں سے
سروں کا تاج بنتا ہے انہیں خوش ترنگینوں کا

اب دیکھنا ہے کہ مومن کی صفات کیا ہیں قرآن حکیم نے شروع میں فرما دیا ہے کہ یہ کتاب جو کہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے اور یہ ہدایت دیتی ہے مگر صرف اور صرف متقی کو متقی ہی مومن ہو سکتا ہے تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور نبی مکرم ﷺ کی زندگی

ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور ہر عمل و فعل میں آپ ﷺ کی سنت و سیرت کے مطابق زندگی گزارنا ہی اسلام ہے۔ علامہ اقبال اس کی تائید فرماتے ہیں

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اپنے گلے سے غلامی رسول ہاشمی ﷺ کا طوق اتارنے کی سزا ہمیں یہ مل رہی ہے کہ آج کروڑوں مسلمانوں کا یہ ہجوم ایک ایسے میدان میں کھڑا ہے جس کے اوپر کوئی سایہ نہیں زمانے کی کڑی دھوپ انہیں پگھلائے جا رہی ہے۔ امت مسلمہ کی بے بسی کا یہ نظارہ کتنا عجیب اور عبرت انگیز ہے کہ جو قوم مدتوں عالم انسانی کے لئے سائبان بنی رہی آج خود سائے کو ترس رہی ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گرش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

بڑا غور طلب مقام ہے کل تلک جس قوم کے جرنیل ایک ہی وقت میں بر اعظم افریقہ، یورپ اور ایشیاء کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے جس وقت وہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو تاراج کر رہے تھے وہ کیسا دور تھا جس میں ایک طرف طارق بن زیاد دوسری سمت قتیبہ بن سلم سندھ کی سرزمین پر محمد بن قاسم محو یلغار تھا۔ کل تلک یہ قوم ہمسایہ جبرائیل تھی آج دنیا کی نظروں میں ذلیل ہے۔ کل جو قوم قیامت کی نظر رکھتی تھی آج اسے پل کی خبر نہیں۔ کل تک جس کی بے نیازی کے چرچے بادشاہوں میں تھے آج اس کا شعار گداؤں میں ہے۔ کل تک

یہ قوم جہاں نورد تھی آج کوچہ گرد ہے کل تک یہ امن عالم کی ضمانت تھی آج یہ ہدف تنقید ہے۔
علامہ اقبال جب اندلس میں مسجد غرناطہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے دوران سجدہ یہ دکھڑا اپنے رب کے حضور پیش کیا کہ مسلمان قوم جس کی سطوت کے عظیم نشان ابھی تک باقی ہیں ذلیل و خوار کیوں ہوئی ہے تو جواب ملا یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر اپنے محبوب ﷺ کا یقین نہیں کرسکی۔

دوستو! ابھی وقت ہے آؤ اپنا ناطہ قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سے جوڑ لیں یہ دنیا کی عزت وعظمت تو کوئی چیز نہیں خدا تعالیٰ کی رحمتیں، فضل وکرم اور برکتیں آپ کے شامل حال ہو جائیں گی سورہ العنکبوت میں ارشاد ربانی ہے:

"یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے کاش یہ لوگ جانتے"۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم وگماں لا الہ الا اللہ

ہمارے اسلام میں قرآن الفرقان میں انسانوں کو عظمت اور بزرگی حاصل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔اسلام میں انسان کو اللہ کا خوف عطا کر کے باقی تمام تفکرات حیات سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے۔دین اسلام میں سربلندی ہے، عظمت ہے کامیابی و کامرانی ہے، عظمت و سطوت ہے۔بے نیازی و نیک انجامی ہے۔دنیا و آخرت کے لئے خیر و برکت کی نوید مسرت ہے۔اسلام میں سرفروشی ہے شجاعت ہے۔بہادری ہے، جانثاری ہے اور علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کسے خبر کے ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور جس کا اللہ ہو جاتا ہے تمام خدائی قوتیں اس کے ہمرکاب ہو جاتی ہیں اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

آخر میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آئیں ہم بھی اللہ کے ہو جائیں ۔غلامی رسول ﷺ میں آجائیں قرآن الفرقان کو اپنا رہنما بنالیں اور نبی مکرم ﷺ کو اپنا امام تسلیم کرلیں بہت سارے خداؤں سے ناطہ توڑ کر ایک خدا کے ہو جائیں ۔تقدیر ہمیشہ تابع مسلماں ہی رہی ہے اور رہے گی یہ میرے آپ کے اور سب کے رب کا حتمی فیصلہ ہے اس کو کوئی نہیں بدل سکا اور نہ ہی بدل سکے گا۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے محمد اسحاق کی والدہ (جو انصاری صاحبؒ کی مرید تھیں)

اسلام آباد سے عبدالرشید منہاس

ملتان سے پروفیسر مشتاق بھٹہ

ملتان سے محمد شعیب کھیڑا کی خالہ اور ممانی

بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
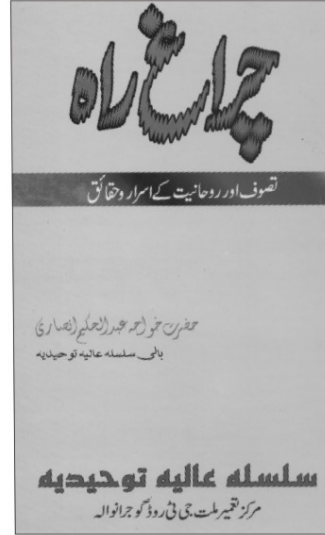
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
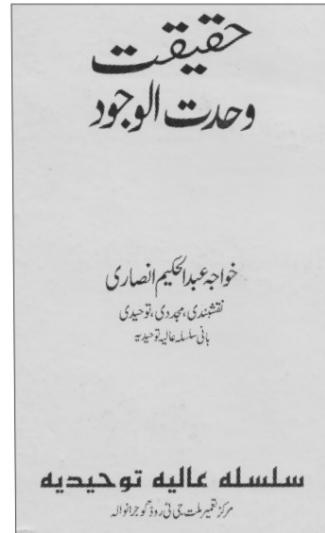
سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محلِ وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
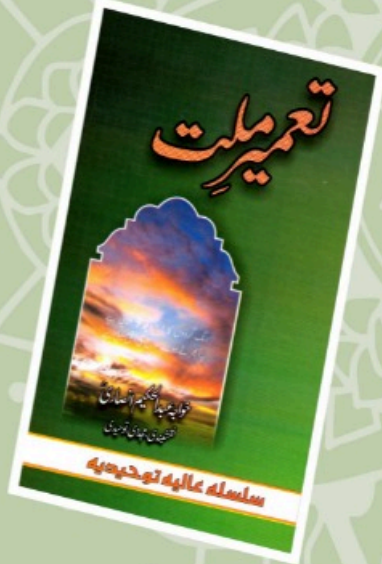
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com